خالہ، سالا اور اُوپر والا

فاخرہ گُل



فاخرہ گل

خالہ سُلا اور پُھپھو دُلارا

اکثر اوقات دانشمند لوگوں اور خوا مخواہ کے لیکچر دیتی اور خود کو عقلمند ظاہر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی خواتین کے منہ سے چینا یہی سنتی آئی تھی کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں پہلے تو اس بات پر کبھی اتنا غور کرنے کا موقع نہ ملا تھا مگر اب اکثر سوچا کرتی کہ آخر وہ کون سی گاڑی ہوتی جس کے دو پہیے ہوتے ہیں؟

کار' چنگ چی' بس' ٹرک غرضیکہ ہر طرح کے ذرائع

ناولٹ

مواصلات کو ذہن کے خالی "رن وے" پر دوڑاتی' مگر حسب سابق کچھ بھی اور کبھی بھی سمجھ نہ آتا اور تب وہ گرم مسالے میں گری پڑی لونگ جیسی ناک پر ہلکا سا کھجاتے ہوئے اپنا دھیان کبھی سائیکل اور کبھی موٹر سائیکل کی طرف لائی تو جی جان سے ان تمام فارغ دانشوروں پر واری صدقے جاتی جو دنیا جہان کے تمام معاملات کو پس پشت ڈال کر بس کسی طرح ازدواجیات اور مواصلات کو ایک کرنے پر تلے ہوتے اور ان کے منہ سے ادا کیے گئے اس مواصلاتی بیان پر خراج تحسین پیش کرنے کے لیے وہ بھی پیچھے نہ رہتی اور "فورا" سے بیشتر فیس بک پر نام سرچ کرکے "حسب اوقات" تعریفی کلمات بھی لکھ بھیجتی۔ کسی کی بہت ہی زیادہ قائل ہوتی تو ان کے نام کے پیج پر ایک نہیں دو مرتبہ لائک کرکے اپنے تئیں انہیں "ہدیہ" ارسال کرنا بھی نہ بھولتی۔

اور پھر یہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیوں جیسے اور گاڑی بھی کون سی موٹر سائیکل! واہ، اپنا سر دھنتی اور کہنے والے کے وسیع تجربے اور زیرک نظری پر داد دیتی کہ واقعی موٹر سائیکل ہی ایک ایسی سواری ہے جو بے انتہا ٹریفک کی بھی پروانہ کرتی۔ رش ہو یا بل کھاتی سڑک یوں سبک خرامی سے گزر جاتی کہ لمبی لمبی چمکدار گاڑیوں والے ٹریفک میں پھنسے حسرت سے اس موٹر سائیکل سوار کو دیکھا کرتے جو پنجابی فلم کے ہیروز کی طرح دل ہی دل میں خوش' مگر بظاہر بے نیازی ظاہر کرتا ہوا ان سے کہیں پہلے اپنی منزل پر جا پہنچتا اور شاید اسی تحقیق کا نتیجہ تھا کہ آج چینا خواب میں خود کو ضمیر کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھا ہوا دیکھتی رہی تھی۔

مردوں کے برعکس دونوں ٹانگیں ایک طرف کرکے بیٹھی چینا خواب میں بھی اس بات پر مکمل یقین کر چکی تھی کہ ضمیر اس کا شوہر نامدار ان مردوں میں سے ہے جو ہمارے ملکی حالات کی طرح کبھی نہیں بدلتے اور نہ ہی ان کے بدلنے کا کوئی امکان مستقبل قریب میں نظر آتا ہے۔ چینا کی حسرت ہی رہی کہ ضمیر کبھی خواب میں ہی مگر روانی سے بول سکے لیکن "یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے" کے مصداق اک تو موٹر سائیکل اور پھر ضمیر کے زبانی لفظوں کے جھٹکے۔ انتہائی بدمزا ہو کر اس سے پہلے کہ وہ ایک مرتبہ پھر کروٹ لیتی بیڈ کے دائیں طرف سائیڈ ٹیبل پر رکھے الارم کلاک نے اسمبلی کے فلور ہاؤس پر موجود سیاستدانوں کی طرح جو بولنا شروع کیا تو پھر چپ کرنا

بھول گیا اور تب تک چیختا رہا جب تک چینا نے اسے میوٹ نہ کر دیا۔

مندی مندی آنکھوں سے اس نے الارم کلاک کو نظر انداز کرتے ہوئے وال کلاک پر بالکل "نو" کے ہندسے پر دونوں سوئیوں کو ایک ہوتے دیکھا اور کہنیوں پر زور ڈالتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ جمائی لیتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھنے کے بجائے وقت کی بچت کرتے ہوئے ساتھ ہی انگڑائی بھی لے ڈالی اور کیچر میں بالوں کو سمیٹ کر انہیں سر کی پشت پر یوں اکٹھا کیا کہ ان پر دھرنا دینے کا گمان ہونے لگا۔ کبھی سوچتی کہ اٹھ جائے اور کبھی ذہن میں خیال آتا کہ اتوار ہونے کا فائدہ اٹھا کر ایک دفعہ پھر لیٹ جائے اور لیٹ جانے کے خیال پر پسندیدگی کی مہر لگاتے ہوئے اس نے الارم کلاک پر پورے دو منٹ بعد کا الارم لگایا اور ضمیر کے تکیے کے پاس رکھ کر خود پھر سے سونے کی کوشش کرنے لگی، لیکن یقیناً "یہ نہ تھی چینا کی قسمت کہ نصیب آرام ہوتا۔"

چند ہی لمحوں بعد الارم ایک بار پھر یوں بول اٹھا کہ لگتا اب سوئے ہوئے حکمرانوں کو بھی جگا کر دم لے گا اور الارم کلاک چونکہ عین ضمیر کے کان کے قریب رکھا گیا تھا اس لیے یوں اچانک آواز سننے پر وہ یوں ہڑبڑا کر اٹھا کہ اس کی ہل جل خود چینا کو بھی بدمزا کر گئی، لیکن چونکہ وہ ایک بار پھر سونے کے ارادے سے لیٹی تھی لہٰذا کسی بھی قسم کا رد عمل ظاہر کرنے کے بجائے اقوام متحدہ کی طرح چپ چاپ پڑی رہی کہ نہ کچھ دیکھا نہ سنا۔

لیکن ضمیر چونکہ اپنی نیند ایک بار ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ سو نہیں پاتا تھا لہٰذا چاروناچار اسے اٹھنا ہی پڑا کہ یہ اس کی چوائس نہیں بلکہ مجبوری تھی۔ کچھ دیر منہ بسور کر وہیں بیٹھا رہنے کے بعد آخر کار وہ اٹھا اور صبح جاگنے کے بعد روزانہ کیا جانے والا کام آج پھر کرنے لگا کہ ہمیشہ کی طرح سلیپرز اس کے بیڈ کے ساتھ عین اس جگہ موجود نہ تھے جہاں وہ رات کو اتار کر سویا تھا یاوں لٹکا کر بیٹھے بیٹھے اس نے گردن موڑ کر باتھ روم کے دائیں دیوار کے ساتھ وہ سلیپرز دیکھنا چاہے جو صرف باتھ روم ہی کے لیے استعمال ہوا کرتے تھے اور ان کی حدود باتھ روم سے لے کر صرف باتھ روم تک ہی تھی، لیکن کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا وہ فٹ میٹ بھی حکومت کے سرکاری خزانے کی طرح ہمیشہ خالی ہی نظر آتا سو اس نے پلٹ کر چینا کو ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"چینا۔۔۔ مم میرے سلیپرز آج پھر نن نہیں مل رہے۔"

"اوں۔۔۔" چینا نے بڑی ادا سے اپنا ہاتھ یوں جھٹکا جیسے اس کا شوہر اسے سلیپرز نہیں بلکہ فلم میں ہیرو، ہیروئن سے اس کا دل مانگ رہا ہو۔

"چھوڑو نا ضمیر، تنگ نہ کیا کرو نیند آرہی ہے۔" کشن کو خود سے مزید قریب کرتے ہوئے وہ اب بھی آنکھیں کھولنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھی، لیکن ضمیر کے لیے اب باتھ روم سے مزید دوری ناممکن تھی۔ اس لیے کشن کو تقریباً" چھینتے ہوئے پھر سے بولا۔

"آخر جج جاتے کہاں ہیں میرے سلیپرز روز رات مم میں؟"

"بیڈ کے نیچے ہوں گے اور کہاں جائیں گے تمہارے سلیپرز ہیں کوئی سیاستدان نہیں ہیں کہ رات کے اندھیرے میں ادھر ادھر ملاقاتوں کے لیے نکل جائیں۔" چینا تلملائی۔

"لیکن میں تت تو سوتے ہوئے س س سامنے رکھتا ہوں پھر؟" کچھ غلطی نہ ہونے کے باوجود ضمیر شرمندہ ہو گیا تھا کہ اس کی وجہ سے چینا کی نیند ڈسٹرب ہو گئی۔

"چینا رکھتی ہے بیڈ کے نیچے اور وہ بھی تمہارے بھلے کے لیے۔"

"مم میرے بھلے کے لیے؟" ناسمجھی کے احسان مندانہ انداز سے ضمیر اپنی نصف بہتر کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو اور کیا، ساری رات تمہارا دماغ بھی تمہارے ساتھ سوتا رہتا ہے نا اس لیے چینا تمہارے سلیپرز بیڈ کے نیچے پھینک دیتی ہے تاکہ جب صبح جھک کر تم بیڈ کے نیچے سے اپنے سلیپرز نکالو تو تمہارے

دماغ میں خون کی گردش تیز ہو کر تمہیں ایکٹو کردے۔"

"وو واہ چینا، واہ یعنی ڈاکٹر تو میں ہوں، لیکن تت تمہارے آگے تو میری ڈاکٹری بھی بب بب بس ختم ہے۔" ستائشی نظروں سے چینا کو دیکھتے ہوئے اس کی اس قدر عقلمندی پر ضمیر کو بے حد پیار آیا تھا اور پھر یہ کہ چینا اس کا کس قدر خیال رکھتی ہے وہ پی آئی اے کے متنازعہ پائلٹ کی طرح جھومنے لگا تھا۔ اگر اس وقت اسے باتھ روم نہ جانا ہوتا تو یقیناً" وہ اپنے پیار کا عملی ثبوت چینا کے سامنے ضرور پیش کرتا، لیکن ابھی چونکہ عشق کے امتحان اور بھی تھے اس لیے چینا کی نیند میں خلل ہو جانے کے خیال سے کارپٹ پر بھی پنجوں کے بل چلتے ہوئے آہستگی سے دروازہ کھولا اور ننگے پاؤں ہی اسٹور روم کی طرف چل دیا اس وقت جبکہ اس کا ایک ایک پل قیمتی تھا۔ بلب روشن کرنے کے بجائے اس نے یونہی سامنے رکھے جالے دان کے ڈنڈے کو ہاتھ میں لیا اور روشن دان سے پڑتی سورج کی چند کرنوں کے نتیجے میں جیسے ہی نظر سامنے رکھے چینا کے سلیپرز پر پڑی تو انہی کو پاؤں میں اڑس کر واپس کمرے میں پلٹ آیا اور چونکہ سلیپرز مل گئے تھے اس لیے جالے دان کو ساتھ لانے کا تکلف نہیں کیا تھا مگر شومئی قسمت کہ اپنے تئیں نہایت ہلکے ہاتھ سے دروازہ کھولتے ہی اس کی نظریں چینا سے جا ٹکرائیں جو اچانک ہی بلا ارادہ آنکھیں کھول کر اسے نہیں بلکہ اس کے چہرے سے ہوتی پاؤں میں پہنے سلیپرز کو دیکھ رہی تھی۔ اس لمحے ضمیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح وہ چینا نام کا یہ دریا عبور کر کے فوراً" سے پہلے باتھ روم جا پہنچے لیکن۔۔۔

"ضضمیر۔۔۔ یہ تم نے چینا کے سلیپرز پہنے ہوئے ہیں؟" تشویش سے چینا کی آنکھیں شادی شدہ خواتین کی کمر کی طرح پھیلتی چلی گئی تھیں۔

"نن نن نہیں تو جان بوجھ کر نہیں پہنے میں نے، یہ تو بس جیسے ہی میں اسٹور روم میں اے اے انٹر ہوا ایک دم پاؤں کے نیچے آ آ گئے۔"

"کاش چینا تمہیں جاہل کہہ سکتی۔" چینا کے چہرے پر اس قدر دردناک تاثرات تھے کہ ضمیر کو لمحہ بھر کے لیے تو خود پر لعنت بھیجنے کا جی چاہا۔

"ابھی پچھلی عید پر تمہارے سلیپرز لائی تھی وہ نہیں ڈھونڈ سکے اور یہ جو چینا کے بالکل نئے سلیپرز ہیں انہیں پہن کر کھلا کر دیا۔۔۔ اب بتاؤ انہیں چینا پہنے یا کسی سیاسی لیڈر کے جلسے میں اسے مارنے کے لیے کرائے پر دے دیا کرے۔" ضمیر نرسری کلاس کے بچوں کی طرح منہ لٹکائے اور آنکھیں اٹھائے کھڑا تھا۔

"اسی لیے تو چینا چاہتی ہے کہ تمہارا دماغ ذرا تیز ہو جائے، لیکن تم۔۔۔" بغیر کوئی بھی جواب دیے ضمیر کے لیے یوں کھڑے رہنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس لیے اپنا ذہن تیز کرنے کی چینا کی تمام تر کوششوں کی حمایت اور حق میں قرارداد پیش کرنے لگا۔

"معاف کرنا چینا، بس ذرا نیند میں تھا نا اس لیے، ورنہ میں تمہاری کوششوں کا اتنا معترف ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ اپنی ڈاکٹری کی ڈگری بھی تمہیں دے دوں۔"

"ہونہہ۔ ایسے ایسے لوگوں کو ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں مل گئی ہیں کہ مجھے تو نفرت ہو گئی ہے اب ان ڈگریوں

سے۔" گردن جھٹک کر اس نے دوسری طرف کروٹ لی تو ضمیر ایک بار پھر منہ بسور کر اسٹور روم سے جالے دان اٹھانے کو لپکا کہ اب اس کے پاس غلطی کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔

لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنے کی جلدی ہو تب ہی کام ہونے میں اس قدر دیر لگتی ہے کہ اس پر اپنا ذاتی نہیں بلکہ سرکاری کام ہونے کا گمان ہوتا ہے آج اتوار کا روز تھا اور ضمیر نے رات سے ہی سوچ رکھا تھا کہ آج کس طرح "جشن آزادی" منانا ہے' لیکن چینا نے صبح ہی صبح مارننگ شوز کا کام سرانجام دیتے ہوئے اسے یوں بدمزا کیا کہ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب کم از کم کچھ دیر کے لیے ہی سہی، لیکن وہ چینا کو مخاطب نہیں کرے گا' لیکن خیر ایسے ارادے تو شوہر حضرات شاید دن میں کئی مرتبہ کرتے ہوں گے جو سیاست دان کے پر فریب وعدوں کی طرح محض وجوش خطابت میں ہی ہو جاتے ہوں اور تب ضمیر کا دل بلک ہی تو اٹھا تھا جب واش روم میں شیو کرتے وقت سامنے موجود دھندلا شیشہ اسے بھینگا بنانے پر بضد محسوس ہوا اور چاروناچار اسے ایک مرتبہ پھر گردن واش روم سے باہر نکال کر چینا کو آواز دینی پڑی۔

"چینا... چچ چچ چینا..."

لفظوں کے گیئر لگاتے ضمیر کو ایک آنکھ کی جھری سے دیکھ کر منہ بسورتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں ضمیر کو جانے کیا کہا کہ چہرے کے تاثرات کسی تو تا چشم قرض دار کی طرح ایک دم بگڑنے لگے' مگر پھر بھی وہ بدستور لیٹی رہی اور آنکھیں بند کر کے اتوار کی خوب صورت صبح کی بے مثال نیند کو ضائع ہو جانے پر آج کے دن کو یوم سوگ کے طور پر منانے پر غور کرنے لگی۔

"تت تت تم نے سنا نہیں... میں کتنا دو دو دیر سے بلا رہا ہوں۔"

منہ پر شیو فوم لگائے ضمیر اب باقاعدہ اس کے سرہانے موجود تھا سو چاروناچار اسے اٹھنا ہی پڑا۔

"ضمیر کیا تم بھی نا' ہر وقت چینا پر لفظوں کی فائرنگ ٹریگر دبے کے کرتے رہتے ہو۔"

"کتنی دفعہ مم مم میں نے کہا ہے کہ مالک مم مکان سے کہو کہ ہا... ہمیں شیشہ بدلوا دے منہ تو نظر نن نہیں آتا۔" فائرنگ کرنے کے الزام کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے گویا اس نے ایک الگ ہی ایف آئی آر درج کروادی تھی۔

"ڈونٹ وری ضمیر' شیشہ بدلوانے سے کچھ بھی ہونے والا نہیں..."

لاپروائی سے بیڈ کے ساتھ پشت ٹکاتے ہوئے اس نے کہا' لیکن ضمیر کے چہرے پر کلاس کی آخری بنچ پر بیٹھے نالائق سے بچے جیسے تاثرات دیکھ کر جملہ پورا کرنا ضروری سمجھا۔

"تمہارے منہ پر بجے ساڑھے چھ ہر شیشے میں ساڑھے چھ ہی رہیں گے' پونے تین نہیں بجنے والے۔"

"اچھا اچھا زیادہ بب بب باتیں نہ بناؤ اور جاؤ کوئی اور شش شیشہ لا دو کم از کم میرا منہ تت تت تو نظر آئے۔" ہمیشہ کی طرح ایک سمجھدار شوہر کا کردار نبھاتے ہوئے ضمیر نے چینا کو امریکا کے منصب پر فائز کرتے ہوئے خود پاکستان میں ہی رہنا مناسب خیال کیا اور اس کی ہر کہی ہوئی بات پر "کہنا سنا معاف" کا انداز اپناتے ہوئے ایک نیا بیان جاری کر ڈالا جس پر آخر کار چینا کو بستر سے نکلنا ہی پڑا۔

"سکون سے سونے کی تو چینا کی حسرت ہی رہے گی۔" وہ بڑبڑائی۔

"ذرا جج جلدی آنا۔"

بیڈ سے اٹھ کر دروازے تک جاتی ... چینا نے پلٹ کر پھر اسے دیکھا۔

"ویسے ضمیر کہوں گی تو نہیں' لیکن کاش چینا تمہیں کھڑوس کہہ سکتی۔"

ضمیر بھی اس وقت جواباً "کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا' لیکن مفاہمتی پالیسی نے اس کے منہ پر اپنی غرض کا تالا سا لگا دیا سو اس نے منہ بھی کھولا' کوشش بھی کی' لیکن الفاظ بیرونی قرضوں کی طرح نہ ادا ہوئے۔ شوہر نامدار

کی اس حالت پر چینا پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل کر دروازہ یوں زور سے بند کر کے گئی کہ ضمیر ایسا سہما جیسے کوئی عام شہری گاڑی کے کاغذات نہ ہونے پر ٹریفک پولیس کے سامنے سہم جاتا ہے۔ اس کی وردی کے رعب سے نہیں بلکہ اس سے ملنے والے مالی روگ سے۔

☼ ☼ ☼

دیکھی ہے ایک فلم پرانی تو یوں لگا
جیسے کہ کوئی کام کیا ہے ثواب کا
انور میری نظر کو یہ کس کی نظر لگی
گوبھی کا پھول مجھ کو لگے ہے گلاب کا
(انور مسعود)

خالہ نے تصور میں خود کو کسی خوبرو اور نوجوان دوشیزہ ہی کے روپ میں دیکھتے ہوئے نیند سے آنکھیں کھولیں اور اسی ترنگ میں پشتو فلموں کی ہیروئنوں کی طرح انگڑائی لینے کے بعد دائیں سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہینڈ مرر کو اٹھا کر جو اپنا چہرہ دیکھا تو اپنی ہی نظر پر نظر بد کا سا گمان ہوا۔ بجلی کی سی سرعت سے کہنیوں کے بل ذرا سرک کر بائیں سائیڈ ٹیبل پر رکھا دوسرا ہینڈ مرر اٹھا کر پہلے والے کو تکیے پر رکھا اور اس میں چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ نتیجہ وہاں بھی حسب توقع نظر نہ آنے پر فوراً" کمبل کو اپنے ساتھ ہی کارپٹ تک گھسیٹ کر لے جاتی خالہ اب ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے آئینے کے سامنے موجود تھیں اور ہر زاویے کے ساتھ خود کو دیکھے جا رہی تھیں' مگر چہرے کے تاثرات اس ست کام والی سے بڑھ کر ہرگز نہیں تھے جو کام کی زیادتی دیکھ کر خود کو زبردستی لو بلڈ پریشر کا مریض ظاہر کرنے کی کوشش میں پھیکے خربوزے جیسی شکل بنائے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ خالہ اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرتی ہوئی یوں پریشان تھیں جیسے منگنی ہونے سے پہلے ٹوٹ گئی ہو۔ "میں اتنی ایج کی ہوں تو نہیں' پھر پتا نہیں آئینے میں اتنی بڑی کیسے لگتا ہوں۔" خود کلامی کرتے ہوئے آواز میں اس قدر نمی تھی کہ اگر خالہ غور کرتیں

تو سامنے موجود آئینہ نم محسوس ہوتا۔

"ابھی تو خدا جانے کس کس نے اس بچپنے پر مرمٹنا ہے۔"

"یہ بال۔۔۔" خالہ نے کندھوں پر بکھرے بالوں کو اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے انہیں سنوارا۔

"پتا نہیں، کون، کہاں ان بالوں کو سنوارنے کے لیے بے تاب ہو رہا ہوگا۔"

خالہ نے زبردستی شرمانے کی کوشش تو ضرور کی مگر ان بعض اداکاراؤں کی طرح بری طرح ناکام رہیں جن کا اب شرم کے آنے اور جانے سے دور دور تک نہ کوئی واسطہ باقی رہا اور نہ واقفیت!

ادھر چینا گھر کے مختلف حصوں میں موجود شیشوں میں ضمیر کا منہ ڈھونڈنے کی کوشش میں ہلکان درازوں سے ہینڈ مرر تک نکال کر دیکھ لینے کے بعد آخر خالہ کے کمرے میں بڑے ہی اکتاہٹ بھرے انداز میں داخل ہوئی تب تک خالہ واش روم جا چکی تھیں البتہ کسی ضدی بچے کی طرح ان کی ٹانگوں سے لپٹ جانے والا کمبل کارپٹ پر دھرنا دینے کے انداز میں دھرا ہوا تھا۔

چینا نے بھی کمبل کو دیکھ لینے کے باوجود اٹھا کر اسے اس کے ٹھکانے پر پہنچانے کے بجائے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اور خالہ کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ جہاں ایک بار پھر اسے اپنا سامنہ نظر آیا تو وہ زچ ہو گئی۔

"توبہ ہے، کیسا نکما منہ ہے ضمیر کا۔۔۔ مجال ہے جو کسی ایک بھی شیشے میں مجھے نظر آیا ہو تو۔۔۔ منہ نہ ہوا فٹے منہ ہو گیا۔"

"چینا۔۔۔"

غیر متوقع طور پر اسے عقب سے خالہ کی آواز آئی تو خیال آیا کہ اس وقت وہ اپنے نہیں خالہ کے کمرے میں کھڑی ہوئی ہے۔ پلٹ کر دیکھا تو خالہ واش روم سے نکل کر اسی کی طرف متوجہ پائی گئیں بکھرے ہوئے بالوں کو دیکھ کر پہلا خیال جو ذہن میں اترا وہ تو یہی تھا کہ شاید واش روم میں جنوب۔ بحر ہند کے ساحلوں سے ٹکرا کر کراچی تک پہنچنے والی تیز ترین ہوائیں واش روم کی کھڑکی سے خالہ سے بھی آ ٹکرائی تھیں اور یہ بال انہی ہواؤں کے متاثرین میں شامل ہیں۔ چینا کا دل تو بہت چاہا کہ ان سے اس بارے میں پوچھ کر آخر اس زلف پریشان کا ذمہ دار کون ہے، لیکن دل کو بہلا کر بات برائے بات کر ڈالی۔

"خالہ تم نے چینا سے کچھ کہا؟"

"خالہ! میں تمہیں دیکھنے میں خالہ لگ رہی ہوں؟" ابھی تو آئینے کے بولے گئے سچ کا صدمہ کم نہیں ہوا تھا کہ چینا نے بھی اپنا حصہ ڈال کر انہیں جلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

"نہیں۔۔۔ دیکھنے میں تو تم قوال لگ رہی ہو، لیکن ظاہر ہے چینا کہے گی تو نہیں۔" چینا کا واضح اشارہ ان کے بالوں کی طرف تھا جو آنسو گیس کھائے مظاہرین کی طرح منتشر نظر آ رہے تھے۔

"تمہارا دماغ تو زبان کی طرح ہر وقت آؤٹ آف پیٹرول ہی رہتا ہے۔" خالہ نے آگے بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے دراز سے ہیڈ بینڈ نکال کر بالوں کو یوں بے دردی اور مضبوطی سے جکڑا کہ ان پر واقعی گمان ہوا کہ بال بال قرضے میں ہی جکڑا ہوا ہے۔

"خالہ آؤٹ آف پیٹرول نہیں، آؤٹ آف کنٹرول۔" چینا نے بے زاریت سے تصحیح کی مگر خالہ بھی بھلا کب ہار ماننے والی تھیں۔ ٹاک شوز میں موجود سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی طرح اپنی غلط بات کو بھی درست ثابت کرنے کے لیے فوراً" کوئی دلیل ڈھونڈ لائیں۔

"ارے واہ، پیٹرول بھی تو آؤٹ ہو جاتا ہے کہ نہیں؟" یقینی جیت کا تاثر لیے خالہ نے پوچھا تو چینا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں ہو تو جاتا ہے۔۔۔"

"تو بھلا بتاؤ میں نے کچھ غلط کہا؟" فاتحانہ انداز میں ابرو چڑھا کر مسکراتے ہوئے خالہ نے پوچھا تو چینا جل ہی تو گئی۔

"کاش چینا تمہیں جاہل کہہ سکتی۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟" خالہ نے غصے میں چینا کو دیکھا تو وہ حقیقتاً" سہم گئی۔

"نہیں نہیں، میرا مطلب تھا کاش چینا تمہیں جاہل کہہ سکتی، مگر خود سوچو خالہ، کہا تو نہیں نا۔"

"نہیں کہا تو اچھا ہی کیا۔" خالہ نے اس کی معذرت فراخ دلی سے قبول کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ اس نے کچھ نہیں کہا۔

"کرتی تو چینا ہمیشہ اچھا ہی ہے، لیکن لوگوں کو پتا نہیں کیوں برا لگ جاتا ہے۔" کندھے اچکاتے ہوئے چینا نے بڑی سنجیدگی سے اس بات پر غور کرنا ابھی شروع ہی کیا تھا کہ باہر سے سبزی والے چاچا کی طرح ضمیر کے منہ سے اپنے نام کی پکاریں دہائیوں کے روپ میں اس تک پہنچیں۔

"چچ چچ چینا۔۔۔ اب ناشتا تو دے دو، شش شش شیو تو میں کر بھی چکا ہوں۔"

"ارے واہ ضمیر نے شیو کر لی۔۔۔" چینا نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔

"آؤ خالہ چائے بناتے ہیں۔"

"لیکن صبح صبح پائے کھائے گا کون؟" خالہ نے حیرت سے آنکھوں کو زبردستی گول کر کے پھیلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"چینا تو چائے بنانے کا کہہ رہی تھی کہ آؤ چینا کے ساتھ چلو۔"

"کیوں؟ تمہیں اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کیا؟" جہاں کہیں بھی کام کرنے کا ذرا سا بھی شائبہ نظر آئے خالہ اکثر اوقات ہی وہاں جانے سے بدکتی پائی جاتی تھیں۔

"تو اور کیا، اب تو حالات ایسے ہیں کہ ڈاکو بھی اکیلے جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔" چینا نے لہجے میں خواہ مخواہ ہی سنسناہٹ بھری جو ایسی کامیاب ہوئی کہ خالہ حقیقتاً" حیران رہ گئیں۔

"یعنی اب ڈاکو بھی کہیں اکیلے نہیں جاتے؟" خالہ کے سوال پر چینا نے بڑے ردھم سے یوں ہاں میں گردن ہلائی جیسے رکشے میں بیٹھنے کے دوران ناہموار سڑک کے باعث جھٹکے لگ رہے ہوں۔

"میں بھی سوچا کرتی تھی کہ وہ سیاہ شیشوں والی گاڑی میں کیوں ہوتے ہیں؟ اور ان کے آگے پیچھے اتنی گاڑیاں کیوں ہوتی ہیں؟"

"نہ سوچا کرو خالہ اتنا۔۔۔ کہیں لوگ تمہیں دانشور ہی نہ سمجھ لیں۔" خالہ کی سوچ کے انداز پر چینا نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

"ہم لوگ اگر کہیں ایک بھی اصلی والے دانشور کو سمجھ لیتے نا تو آج ڈاکو بھی اکیلے جاتے ہوئے نہ ڈرا کرتے۔"

خالہ جو کہ اب تک دانشور بننے سے بال بال بچی ہوئی تھیں انہیں ایسی معنی خیزیات کرتے دیکھ کر چینا فوراً" کمبل پر سے پھلانگ کر کمرے سے باہر نکل گئی کہ مبادا خالہ اس بال برابر فرق کو باتوں ہی باتوں میں عبور نہ کر جائیں۔

☼ ☼ ☼

" First drive of my brand new ferrari feeling excited!"

اپنے ڈیسک ٹاپ کمپیوٹر کے سامنے رکھی کرسی پر ایک پاؤں گود میں رکھے ادھ کھلی آنکھوں سے فیس بک پر اپنا آج کا اسٹیٹس اپ لوڈ کرتے ہوئے علی نے منہ پر ہاتھ رکھنے کا تکلف کیے بغیر بڑی بے تکلفی سے جمائی لی ہی تھی کہ دروازہ ایک دم یوں جھٹکے کے ساتھ کھلا کہ علی کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں اسے لگا کہ ضمیر اس کے کمرے میں داخل نہیں ہوا بلکہ کسی بیرونی ہاتھ نے اسے کمرے کا دروازہ کھولنے کے بعد اندر پھینک دیا ہے۔ یہی نہیں داخل ہونے یا پھینکے جانے کے متنازعہ عمل کے بعد جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں تو تاثرات دونوں کے ایک ہی جیسے تھے یعنی ناقابل یقین!

"ضمیر بھائی، سمجھ یہ نہیں آ رہا کہ آپ کمرے میں اپنی مرضی سے آئے ہیں یا پھینکے گئے ہیں؟" نظریں

ان پر جمائے علی کی کوشش تھی کہ ان کے قریب آنے سے پہلے پہلے یا تو لاگ آف ہوجائے یا کم از کم اسکرین ہی کو چھوٹا کردے جب ہی اس کی کیفیت ایسی ہی تھی جیسی میٹرک کا طالب علم نقل کرتے ہوئے استاد کی نظر میں آجائے اور اس کے خود تک پہنچنے سے پہلے تمام ثبوت مٹایا چھپانا چاہتا ہو۔

"میں ان۔۔۔ سان ہوں یا کیلے کا چھ چھ چھلکا؟ جو کوئی بھی اٹھا کے پھینک دے۔" ضمیر نے یقینی طور پر برا منایا، لیکن علی چونکہ اب تک فیس بک کے ہوم پیج کو منیمائز کرچکا تھا اس لیے اعتماد سے ان کے برا منانے کو نظرانداز کیا۔

"مجھے کیا پتا ضمیر بھائی اپنے آپ کا تو انسان کو خود پتا ہونا چاہیے نا۔"

"ہاں تت تت تمہیں کیا کسی کا پتا ہوگا، تم کسی وقت اس کم۔۔۔ پیوٹر کی جان چھوڑو تب نا مجھے تو یہ کمپیوٹ ٹرنٹین تمہاری نئی نویلی دلہن لگتا ہے جب دیکھو اس کے ساتھ کمرے میں بند۔۔۔"

یہ جاننے کے بعد کہ علی پر اب تک ان کے انسان یا کیلے کا چھلکا ہونے پر بھی شک ہے ضمیر بھائی غصے میں گویا خود کو آگ لگانے والے تھے اور رہی سہی کسر علی کی دبی دبی مسکراہٹ نے نکال دی۔

"ویسے ضمیر بھائی کیا یہ بہتر نہیں کہ اب بب بب تت تت کرنے کے بجائے لکھ کر بات کرلیا کریں۔"

"میں تت تت تم سے کمپیوٹر کی بات کررہا ہوں اور تم۔۔۔" غصہ تھا کہ جون جولائی کے درجہ حرارت کی طرح کم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔

اور اس لمحے علی نے دل ہی دل میں دل بھر کے اس لمحے کو سراہا تھا جب اس نے ضمیر بھائی کی طرف سے فیس بک پر فرینڈ ریکوئسٹ کو اجنبی قرار دے کر ریجیکٹ کرتے ہوئے انتظامیہ کو رپورٹ تک کردیا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ضمیر بھائی جیسے لوگ ہر اسٹیٹس کو عین دوستوں کے کمنٹس کے درمیان لکھنے والے کے بارے میں کوئی نہ کوئی ایسا شگوفہ ضرور چھوڑ دیتے ہیں جسے ڈیلیٹ کرنے میں ہی عزت ہوتی ہے، لیکن تب کوئی کیا کرے جب اسی شگوفے کمنٹ کے صدقے باقی سب اسٹیٹس کو چھوڑ کر لوگ فالو اور لائک کرنے لگیں۔

"او ہو ضمیر بھائی، آپ بھی تو مارشل لاء کی طرح اچانک ہی نازل ہوجاتے ہیں نا۔ دروازہ بجالیتے تو میں اس وقت واش روم میں ہوتا۔"

"ویسے یار، بب بب بہت افسوس ہے تم پر یعنی جتنا تم کھانا کھاتے ہو کم از کم اس کا تو حق ادا کردیا کرو۔" چند قدم چل کر آگے بڑھتے ہوئے ضمیر بھائی نے اس کے بے ترتیب کمرے کا جائزہ لیا جسے دیکھ کر گمان ہی ہوتا تھا کہ شاید پولیس اس کمرے کی تلاشی لے کر گئی ہے۔ پھیلاوے میں اپنی مثال آپ۔

"آپ کو حق چاہیے نا؟" کرسی سے اٹھ کر علی اب ضمیر بھائی سے ذرا فاصلے پر ون کلاس کے بچے کی طرح ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور اس کے یوں کہنے پر تو گویا ضمیر بھائی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

"ہاں بالکل حق چاہیے۔"

"تو مظاہرے کریں، دھرنا دیں، احتجاج کریں اور کچھ نہیں تو بھوک ہڑتال ہی کرڈالیں۔۔۔ اس کے بغیر حق نہیں ملتا۔" کندھے اچکا کر مفت مشورہ دیتے ہوئے اس نے ضمیر بھائی کو ترحم آمیز نظروں سے دیکھا جن کے چہرے کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے بھنا ہوا قیمہ خمیری نان کے ساتھ کھاتے کھاتے ایک دم دانتوں میں کوئی پتلی سی نوک دار ہڈی آگئی ہو۔ اس بدمزگی کا رد عمل یقینی طور پر علی کو بھگتنا پڑتا اگر اسی دوران چینا کمرے میں داخل نہ ہوتی۔

ضمیر بھائی کے صوتی تاثرات یورپ کے موسم کی طرح لمحہ بھر میں بدل گئے تھے۔

"نن نن نہیں میرے یار، میرے ہوتے بھلا تمہیں بھوک ہاں۔۔۔ ہڑتال کرنے کی کیا ضرورت ہے میں جو ہوں۔"

"دیکھا علی، ضمیر کو چینا سے بھی کہیں زیادہ خیال رہتا ہے تمہارا۔" چینا نے پیار بھری نظروں سے دانت پیستے ضمیر کو دیکھا تو علی جو اصل صورت حال سے

واقف تھا ان کی شوہرانہ کیفیت پر دل ہی دل میں خوب ہنسا۔

"واقعی آپی، میں بھی کبھی کبھار آپ کی قسمت پر رشک کرتا ہوں کہ ضمیر بھائی ہیں تو آپ کے شوہر لیکن خوبیاں ساری ساسوں والی ہیں۔"

"بب بس میں نے کبھی ان خوبیوں پر غرور نہیں کیا۔" آنکھوں پر لگے نظر کے چشمے کو شہادت کی انگلی سے ذرا اوپر کرتے ہوئے ضمیر بھائی بمشکل اپنے ذہن کی گاڑی کو آخری گیئر سے پہلے میں لائے تھے۔

"غرور کرنا بنتا بھی نہیں ہے، ورنہ لوگ پتھر ماریں گے۔"

دل کی ہنسی آخر علی کے ہونٹوں تک آہی گئی تھی اور تب ہی ضمیر کو لگا جیسے اس کی بے عزتی کرنے کی رسم ایک بار پھر ادا کی جارہی ہو۔

"یہ تم دیکھ رہی ہو نا، کیسے بب بب بات کرتا ہے مجھ سے۔"

"ہاں بالکل، چینا بہت اچھی طرح جانتی ہے کہ علی بہت ہی محبت سے بات کرتا ہے تمہارے ساتھ۔" یوں محبت بھرے انداز میں چینا کے علی کو دیکھنے پر ضمیر تلملا ہی تو گیا تھا اور تب ہی اسے یاد آیا کہ آج اس نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا ہے۔

"آج ناشتے میں یہی محبت کھلاؤ گی یا نن نن ناشتا ہی رات میں ملے گا۔"

"ارے تو چینا ناشتے ہی کے لیے تو بلانے آئی تھی نا، لیکن ضمیر تم بھی نا، کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا ہونہہ۔" فوراً ہی چینا کا منہ بن گیا تھا، لیکن یہ کوئی بڑی بات اس لیے نہیں تھی کہ اتحادی جماعتوں کی طرح ضمیر اور اس کے روٹھنے اور منانے کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا کہ بات بات پر منہ بنانا تو یوں بھی چینا کا مشغلہ سا بنتا جارہا تھا۔

اپنی زوجہ کے تعارف میں کہا اک شخص نے
واسے ان کا معترف ہوں، زبانی نہیں
چائے بھی اچھی بناتی ہیں میری بیگم مگر
منہ بنانے میں تو ان کا کوئی بھی ثانی نہیں

☆ ☆ ☆

آج اتوار تھا اور چینا نے گھر کے تمام ممبران سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اس اتوار کو ان سب کے لیے روٹین کے ناشتے کے بجائے چائنیز بریک فاسٹ بنائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ کھانے کی میز کے ارد گرد اپنی اپنی کرسیاں سنبھالے ضمیر علی اور خالائیں بے تابی سے ناشتا آنے کا انتظار کررہے تھے گویا بارات پہنچنے کے بعد دلہن کے آنے کا انتظار ہو۔ ناشتا کیوں کہ متوقع طور پر چائنیز تھا اس لیے تمام چھری کانٹے پہلے سے موجود تھے تاکہ لمحہ بھر بھی ضائع نہ ہو۔

ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر تھک جانے اور ناشتے کے انتظار میں اکتا جانے کے بعد اس سے پہلے کہ وہ سب ہی چینا کو پکارنے لگتے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چینا کچن سے برآمد ہونے کے بعد ان سب کے سامنے ناشتا سرو کرتی پائی گئی۔ چہرے کا جوش و خروش جیتے ہوئے کھلاڑیوں کی طرح قابل دید تھا۔

"آج چینا نے تم سب کے لیے خاص طور پر سنڈے کا ناشتا بنایا ہے۔" اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے اس نے لوازمے کی طرف سے گویا فخریہ پیش کش کا اعلان کیا تھا۔

"ڈنڈے کا۔۔۔؟" خالہ جو اس غیر متوقع ناشتے کی نوعیت سے ہی دلبرداشتہ ہوگئی تھیں غور سے سن لینے کا تکلف کیے بغیر ہی بول اٹھیں۔

"لیکن ہمارا تو کوئی قصور نہیں نا۔۔۔!"

"ہاں ہاں، قصور تو قصوری میتھی والوں کا ہے۔" ناشتے کے متاثرین میں سرفہرست علی کا منہ بھی بگڑا بگڑا سا لگ رہا تھا، لیکن چینا کو ہمارے حکمرانوں کی طرح سب کچھ نظر آنے کے باوجود بھی جانے کیوں "سب اچھا ہے" کا تاثر مل رہا تھا۔ جبھی ان دونوں کا انداز بیاں گرچہ بہت خوب نہیں بھی تھا مگر اس نے خوب ہی سمجھ کر خوب تر انداز میں جواب دینا مناسب سمجھا۔

"نہیں بھئی اپنی ملکہ ترنم نور جہاں۔۔۔ قصور تو ان کا بھی

تھا پیدا جو وہیں ہوئی تھیں۔"

"یہی تو ہم کہہ رہے ناآپی کہ اگر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارا قصور میں کوئی حصہ نہیں ہے تو یہ سزا یافتہ قید نما ناشتا ہمارا کیسے ہو سکتا ہے؟" علی جو چائنیز بریک فاسٹ کی امید لیے ڈائننگ ٹیبل تک پہنچا تھا اب امید ٹوٹی تو رو دینے کو تھا اور تب یقینی طور پر ضمیر بھائی کی آواز کانوں میں پڑتے ہی سب کو ان کے زندہ ہونے کا یقین ہوا' ورنہ علی تو اپنے تئیں سوچ چکا تھا کہ شاید وہ ناشتے کا اس قدر غیر متوقع میک اوور ہونے کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے بیٹھے بیٹھے آرام فرما چکے ہیں۔

"ویسے چینا' سچ سچ بتادو کہ کیا یہ واقعی ناشتا ہے یا انڈوں نے تمہارے خلاف پلیٹ میں دھرنا دیا ہوا ہے۔"

"اوہ' یعنی تم اس دکھ نما حیرت میں منہ پر خیراتی ایکسپریشن دے کر بیٹھے ہوئے تھے؟" جن پر تکیہ تھا جب وہی پتے ہوا دینے لگے تو چینا کا دل چاہا ان پتوں کو تکیے سمیت مروڑ دے۔ چینا کی اتنی دیر کی کوششوں کے بعد عمل میں آنے والے اس ناشتے کے نام پر بنے انڈوں کے ہجوم اور چینا کی شکل پر ترس کھانے کے انداز میں خالہ نے تھوڑا سا چکھا تو ضرور' لیکن پھر فوراً ہی یکے بعد دیگرے دو گلاس پانی حلق سے آواز نکالنے کے ساتھ پینے کے بعد بولیں۔

"چینا' نمک مرچ تو' توبہ اتنا ہارڈ ہے۔۔۔ کہیں کرارا کرنے کے لیے شام کا اخبار تو کھول کر نہیں ڈال دیا اس میں؟"

"چینا کی محنت کی تو کسی کو پروا ہی نہیں ہے۔" چینا کے یوں منہ لٹکانے پر ضمیر کو بے ساختہ ہنسی آگئی تھی۔

"اپنے پیارے اور لاڈلے سے بھائی کو ہی دیکھ لو' چکھنے سے گھنٹہ ڈیڑھ پہلے ہی بج بج جس کے منہ پر لوڈ شیڈنگ ہو گئی ہے۔" ضمیر کی براہ راست نشاندہی پر چینا نے الزام کی تصدیق کے لیے علی کی طرف رخ موڑا تو ضمیر کی بات پر یقین آگیا۔

"ہونہہ۔" علی نے ضمیر بھائی کو دیکھ کر سر جھٹکا اور چینا کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپی' آپ تو آج ہمیں چائنیز کھلانے والی تھیں نا۔" درمیان میں ناشتا رکھے وہ سب یوں افسردگی سے اپنی اپنی پلیٹوں کو دیکھے جا رہے تھے کہ لگتا تھا ناشتے کی میز پر نہیں بلکہ کہیں قل کے ختم پر بیٹھے ہوں اور پھر ان تینوں کے ایک دوسرے پر کیے گئے زبانی جملوں میں خالہ حسب توفیق حصہ نہ ڈالتیں یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ جب ہی زور سے کرسی پیچھے کی طرف کھسکاتے ہوئے بات کرتے کرتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"لو بھئی' یہاں تو کھسیانی بلی دنبہ نوچے والی بات ہو گئی۔"

"خالہ دنبہ نہیں کھمبا۔" چینا نے حسب عادت جل کر اصلاح کی ناکام کوشش کی یہ جاننے کے باوجود کہ خالہ اپنی غلط بات کو بھی بعض کالم نگاروں کی طرح دلیل سے درست ثابت کرنے کے فن میں مولا ہیں اس سے رہا نہ جاتا اور ہمیشہ بول پڑتی۔

"کھمبا؟" خالہ پہلے حیران ہوئیں اور پھر اگلے ہی پل سنبھل گئیں۔

"سارے بجلی کے کھمبے مردہ پڑے ہیں کہ نہیں؟" چینا نے مایوسی سے ہاں میں گردن ہلائی۔

"تو بھلا اب بلی مردہ کھمبے کو تھوڑی نوچے گی' دنبے کو ہی نوچے گی نا جو کم از کم زندہ تو ہے کہ نہیں۔"

"ہاں ہے تو۔۔۔" چینا نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"لیکن خالہ آپ اٹھ کیوں گئیں؟" علی نے انہیں کچھ کھائے پیے بغیر الوداع کہتا محسوس کیا تو پوچھ لیا۔

"تم لوگ کھاؤ' مجھے تو رات کو لنچ کرنے کے بعد سے ویسے ڈلی ہو رہی ہے۔" بات کرنے کے ساتھ خالہ کے منہ کا زاویہ کچھ ایسا بنا جیسے عام طور پر ریل گاڑی کا واش روم استعمال کرتے ہوئے مسافروں کا بنتا ہے۔

"خالہ ویسے ڈلی نن نہیں ہوتا۔ ایسیڈٹی کہتے ہیں۔"

اس مرتبہ چونکہ خالہ نے ایک ایسی جسمانی

علامات پر لفاظی کا شب خون مارا تھا جس کا تعلق ضمیر بھائی کے پروفیشن سے تھا اس لیے اس مرتبہ درستگی کا پرچم بھی انہوں نے ہی بلند کیا۔ لیکن خالہ یہ بھلا کب برداشت کر پاتیں۔

"تمہیں بھی ہو رہی ہے؟" براہ راست سوال کا رخ ضمیر بھائی کی طرف تھا انہوں نے فوراً" نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔

"مجھے ہو رہی ہے تو مجھے ہی پتا ہے نا کہ ویسے ڈلی ہو رہی ہے یا ایسیڈٹی۔" "یہ ایسیڈٹی یا ویسیڈٹی خالہ کو کیسے کیسے ہو رہی ہے کب سے ہو رہی ہے' وہ کیا محسوس کر رہی ہیں؟ ان تمام تفصیلی علامات کے سننے سے بچا لینے پر علی' ضمیر بھائی اور چینا نے دل ہی دل میں فون پر بجتی بیل کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سلام پیش کیا تھا۔ چینا فوراً" اٹھی اور لپک کر فون کی طرف بڑھتی ہوئے حیرانی سے خود کلامی کی۔

"پتا نہیں کس کا فون ہے؟"

"ہمارا اپنا فون ہے آپی' بھول کیوں جاتی ہیں ہمیشہ فون آنے پر؟ ناشتے کے صدمے کے زیر اثر علی چڑ کر بولا اور خود فون اٹھا لیا۔

"بس جی' آج سے آزادی ختم!" علی اطلاعی انداز میں پکارا۔

"تمہاری شادی ہو رہی ہے کیا۔" خالہ نے علی کے خواب میں چھچھورے ہونے کی تصدیق کی۔

"عاشق انکل کا فون تھا' اوپر والے پورشن میں کرائے دار آرہے ہیں۔" علی نے تفصیلی بیان جاری کیا۔

"واؤ علی' جتنی تت تت تم خوشخبریاں سناتے ہو نا تمہیں تو کسی گگ گگ گائنی وارڈ کی آیا ہونا چاہیے۔" ضمیر بھائی نے موقع مناسب دیکھتے ہوئے کرسی بلکہ پھسلتی ہوئی عینک کو ایک بار پھر ناک رکھوالی کا فریضہ سونپتے ہوئے اس کا ادھار چکایا۔

"چینا اٹھو جلدی جلدی گھر کی کلینزنگ کر لو' میں بھی اپنا ڈریس ایکسچینج کر لوں۔"

"ڈریس بے شک چینج نہ کریں۔ وہ اپنے گھر رہنے کے لیے آرہے ہیں آپ کا سوئمبر کرنے نہیں آرہے خالہ' ڈونٹ وری۔" خالہ کی کرنٹ لگی پھرتیاں دیکھ کر چینا نے ہمیشہ کی طرح اصلاحی پروگرام جاری رکھا۔

"چینا' تم سے اتنی سی تو لارج (Large) ہوں خواہ مخواہ ہر وقت خالہ خالہ نہ کہا کرو لوگ کہیں گے خدانا خواستہ پتا نہیں میں کتنی گریٹ ہوں۔"

بات کرکے ہونہہ کے انداز میں گردن جھٹکتے ہوئے خالہ اپنے کمرے کی طرف مڑیں تو وہ تینوں دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

"کاش' چینا انہیں جاہل کہہ سکتی۔" ایک گہرا سانس ٹھنڈی آہ بن کر چینا کے منہ سے نکلا۔

"کہہ دیں آپی کہہ دیں۔۔۔ ہماری طرف سے بھی کہہ دیں۔" علی نے اجازت نامہ جاری کرنے کے بعد ایک بار پھر ڈائننگ ٹیبل کی طرف دیکھا جہاں ناشتا ۔۔۔ دھرنا دیے مظاہرین کی طرح کسی داد رسی کرنے والا کا منتظر تھا۔

☼ ☼ ☼

مرد ہونی چاہیے' خاتون ہونا چاہیے
اب گرائمر کا یہی قانون ہونا چاہیے
صرف محنت کیا ہے انور کامیابی کے لیے
کوئی اوپر سے بھی ٹیلی فون ہونا چاہیے

"پڑھائی اور پڑھائی اور پھر پڑھائی۔۔۔ یہ بھی کتنی زیادتی ہے اور پھر جتنا بھی پڑھو جس کا اوپر سے ٹیلی فون آجائے اسے چاہے سو تک گنتی نہ آئے' لیکن نمبر سو میں سے سو بھی مل سکتے ہیں۔" ہاتھ میں پکڑی معاشیات کی کتاب کو اس نے سوتیلی ماں کی نظروں سے دیکھا اور سامنے رکھے میز پر یوں پٹخا جیسے کتاب کی مدد سے کوئی مکھی ماری ہو۔

سو پڑھ پڑھ کر جب اسے معاشیات کی کتاب پر معاشقات نظر آنے لگے تو جی بہلانے کو جیب سے موبائل نکال کر ہیڈ فون لگایا اور اپنی پسندیدہ

دھنوں سے لطف اندوز ہونا ابھی شروع کیا ہی تھا کہ مہینے کے آخری دنوں کی پریشانی چہرے پر لیے ضمیر اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہلتے ہونٹ تو علی نے دیکھے مگر وہ آخر کہنا کیا چاہ رہے ہیں یہ جاننے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اسی لیے حسب سابق حکمران بنے عوام کو بولتے اور بس بولتے ہی رہنے کے لیے چھوڑ کر موسیقی میں گم رہا۔

"علی، تم نے میرا اسٹیتھو اسکوپ تو نہیں دیکھا؟"

علی کو لگا جیسے ضمیر بھائی بغیر رکے سارا جملہ بول گئے ہیں جبھی حیرت سے ہیڈ فون کو ہلکا سا ہٹایا وہ پھر سے لفظوں کی گاڑی کو دھکا اسٹارٹ کرنے میں مصروف پائے گئے۔

"تم نے مم مم میرا اسٹیتھ۔۔۔" ادھر ادھر سرسری سا ڈھونڈنے کے بعد اب وہ تھک کر علی کے پاس ہی آبیٹھے تھے اور قبل اس کے کہ اپنی فریاد پوری کرتے علی نے ہاتھ کے اشارے سے ٹریفک کانسٹیبل کی طرح انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"رہنے دیں، نہ لگائیں منہ کو گیئر۔۔۔ آپ کا اسٹیتھ خالہ کے پاس ہے۔"

"لیکن میرے اسٹیتھ کا خالہ کے پپ پپ پاس کیا کام؟"

"وہی جو عقل کا آپ کے دماغ کے پاس ہے۔ یعنی کوئی نہیں۔" علی نے دل بھر کے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے یقیناً انہیں اب اٹھ جانے کا اشارہ دیا تھا جسے وہ نہ سمجھنا چاہتے تھے اور نہ ہی سمجھے۔

"آخر وہ لے کر کیوں گئی میں مم مم میرا اسٹیتھ؟" چینا مارکیٹ جانے سے پہلے ان سے پیسے لے گئی تھی مگر اس وقت سے انہیں اپنے دل کی رفتار ملکی ترقی کی مانند مدھم محسوس ہو رہی تھی اور اسی بات کی تصدیق کے لیے وہ اپنے دل کی دھڑکن کی تصدیق کرنا چاہتے تھے، لیکن شومئی قسمت کہ آج خالہ وہ اوزار نما ہتھیار ہی لے گئی تھیں جو ڈاکٹرز کی شناختی علامت ہوا کرتا ہے بعض جگہوں میں تو ڈاکٹر اور کمپاؤنڈر کے درمیان فرق ڈگری، علم اور رتبے کا نہیں اسی اسٹیتھ اسکوپ کا ہوتا ہے۔

"کہہ رہی تھیں سنا ہے کہ پیسہ بولتا ہے" آج ضمیر کے دراز میں رکھے پیسوں کی باتیں اسی اسٹیتھ سے سنوں گی۔" علی نے انہی کا غلط بولا ہوا لفظ انہی کے انداز میں دہرایا۔

"یک نہ شد دو شد!" قریب تھا کہ ضمیر بھائی اپنی ناک پر سے پھسلتی عینک کو نہ سنبھال پاتے اور پیسوں کے یوں غلط ہاتھوں میں چلے جانے پر خود بھی یہیں کہیں پھسل جاتے۔ باہر ہوتی ڈور بیل نے ان کے اوسان بحال رکھے۔

"ذرا دد دد دد دیکھنا تو" اس وقت باہر کون ہے؟" بات کرتے ہوئے ضمیر نے علی کو دیکھا جس نے بیل ہوتے ہی آنکھیں بند کرلی تھیں اور اب سونے کی کامیاب اداکاری کر رہا تھا۔ یوں لمحہ بھر میں اس کے یوں سو جانے پر ضمیر بھائی بری طرح چڑ گئے تھے سو چار و ناچار اٹھتے بڑبڑانے لگے۔

"تت توبہ ہے۔۔۔ کون کہتا ہے کہ اس ملک میں سس سس سونا مہنگا ہے۔"

"جس ملک کی عوام کا ضمیر آپ کی طرح ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر ہو، وہاں جان مہنگی نہیں ہوتی ہے آپ سونے کی بات کر رہے ہیں۔" ضمیر بھائی کے لاؤنج سے نکل کر مین گیٹ کی طرف بڑھنے کے ساتھ ہی علی نے ایک آنکھ کھول کر ان کے نہ ہونے کی یقین دہانی کرنے کے بعد جوابی بیان داغا تو ضرور لیکن چند ہی لمحوں بعد ضمیر بھائی کے لفظوں سے ٹپکتی شیرینی نے علی کو بھی اٹھنے پر مجبور کردیا۔

"ارے آئیے نن نا۔۔۔ آپ کا اپنا ہی تو گھ گھ گھر ہے نا یہ تو۔۔۔"

"ضمیر بھائی اور اتنے پیار سے بات۔۔۔ آخر کس کے ساتھ۔" چار و ناچار علی کو اپنا موبائل اور ہیڈ فون جیب میں ڈال کر آواز کے تعاقب میں جانا ہی پڑا اور پھر وہ ہوا جو اس کی توقعات کے بالکل برعکس تھا۔

ضمیر بھائی دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے عینک

کو ناک کی نوک کے بجائے پھر سے دونوں آنکھوں تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ دائیں ہاتھ سے مسلسل اپنے بال درست کیے جا رہے تھے جس کا واحد مقصد سامنے کھڑی نوجوان لڑکی کو اپنے خداداد حسن سے متاثر کرنا تھا۔ لڑکی کون تھی؟ کہاں سے کیوں کیا کرنے اور کس کے بھیجنے پر آئی تھی یہ سب تو علی کو بھی معلوم نہیں تھا، لیکن ہاں اتنا ضرور تھا کہ اس کی آلتی پالتی مار کر بیٹھی ننھی سی ناک، "تھوڑی سی تھوڑی" شاعر کی نظموں سی لمبی آنکھیں، حکمرانوں سا رنگ و روپ اور خدوخال میں صابن کے اشتہارات سی ملائمت میں اسے گہری دلچسپی محسوس ہوئی، لیکن اعتراض یہ بھی تھا کہ آخر وہ برے دنوں کی طرح بتائے بغیر ہی کیوں آگئی پہلے پتا ہوتا تو وہ اپنی پسندیدہ ٹی شرٹ ہی نکال کر پہن لیتا۔

"جی ہاں گھر تو ہے یہ میرا ہی، لیکن اتنا تو بتا دیں ذرا کہ یہ آپ۔۔۔ آپ ہی ہیں نا ضمیر بھائی۔" ضمیر بھائی سے بات کرتے کرتے وہ عقب سے بندر کی طرح خواہ مخواہ مسکرا کر انٹری دیتے علی کی طرف متوجہ ہوئی تو اس منجمد موسیقی نما دلفریب لڑکی کے منہ سے بھائی کا لفظ سن کر وہ جی بھر کر بدمزا ہوا۔

"ارے نہیں نہیں، توبہ کریں ایسے نہیں کہتے، میں ناراض ہو جاتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" ترو تازہ پیشانی پر بھنوؤں کے درمیان یوں لائنیں ابھریں گویا ہلکی گلابی ٹرے میں دھنیے کی چند ڈنڈیاں عین درمیان میں رکھ چھوڑی ہوں۔ ادھر ضمیر بھائی علی کے یوں برآمد ہونے پر اس قدر دکھی تھے جیسے ان کی اسمگل شدہ منشیات پکڑی گئی ہو۔

"مطلب یہ کہ۔۔۔" نام جاننے کی غرض سے وہ رکا۔

"چندا۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"ہاں تو میری چندا۔۔۔"

"تت تت تمہاری چندا؟" اس سے پہلے کہ چندا خود کوئی اعتراض کرتی، ضمیر بھائی سرکاری وکیل کے روپ میں سامنے تھے۔

"آپ کی ہے؟" علی نے دو ٹوک انداز میں پوچھا جس پر ضمیر بھائی نے ایک نظر چندا کو دیکھا اور بڑی بے بسی سے سر کو نفی میں ہلا دیا۔

"ہاں تو جب آپ کی نہیں ہے تو میری ہی ہوئی نا۔" اس دفعہ چندا نقطہ اعتراض پر بولنا چاہتی تھی لیکن علی نے کوئی موقع نہ دیتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا پیاری چندا کہ ضمیر بھائی تو یہ ہیں نا، میں تو صرف اور صرف ایک لڑکا ہوں جسے سب لڑکیاں بڑے پیار سے علی کہتی ہیں۔"

"اور لڑکے؟"

"ارے نہیں لڑکے نہیں سب پیار سے ہی کہتی ہیں۔" کالر کھڑا کرتے ہوئے وہ مسکرایا اور ضمیر بھائی کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"اور دیکھنے والے تو بس جیلس ہی ہوتے ہیں۔"

"اور جیلسی میں س س سب اسے جو کچھ کہتے ہیں نا اسے اگر مم مم میں کیسٹ میں ریکارڈ کر کے بھی بیچوں تو اس پر بین لگ جائے۔" ضمیر بھائی تقریباً رو دینے کے قریب تھے۔

"ضمیر بھائی کی اپنی کیسٹ بڑے گھاٹے میں گئی تھی جس میں ان کے مریضوں کے بیانات کم اور ان کے خلاف اعلانات زیادہ تھے۔"

اور تب چندا کو لگا کہ وہ کسی گھر میں نہیں بلکہ میزبان بن کر کسی نیوز چینل کے ٹاک شو میں آگئی ہے جہاں سیاسی حریف ایک دوسرے پر حملے کرنے کے دوران اسے اپنی بات کرنے کا موقع دینے کو بھی تیار نہیں۔

"لیکن تم ان کی فکر نہ کرو میں ہوں نا۔۔۔ بس یہ بتاؤ اوپر والے پورشن میں اکیلی رہو گی نا؟"

"جی نہیں۔۔۔ ہیں نا ابا میرے ساتھ" ضمیر بھائی پر رحم کی نظر ڈالتے ہوئے اس نے علی کو جواب دیا۔

"بس جی، مبارک باد ہو ضمیر بھائی، چندا نے آپ کو بھائی چھوڑ اپنا ابا بنا لیا ہے۔ ریڈی میڈ اولاد کی بہت مبارک باد، اب تو آپ جیسوں کی بھی عزت کرنی پڑے گی۔" علی نے ضمیر بھائی کے سامنے سر جھکا کر خود

کو "میم" کے انداز میں کھڑا رکھا' لیکن تب تک چندا کا غصہ یوں ظاہر ہوا کہ علی کو اس کی آنکھوں میں کاجل کے بجائے لپ اسٹک لگی محسوس ہوئی۔

"ٹھیک ہے دماغ آپ کا؟ میرے اپنے ہیں ابا' ذاتی' پیدائشی اور قانونی اور حقیقی۔"

"تمہارے ذاتی ہیں تو کیا ہم سب نے ابا ٹھیکے پر لیے ہوئے ہیں؟" علی تو یوں بھی برجستہ گو تھا اور فقروں کی ڈلیوری مشین' جہاں سے آٹومیٹک ای میل کی طرح خود بخود جواب برآمد ہوتے جاتے۔

"مم مم مائنڈ نہ کرنا چندا' یہ پیدائشی طور پر موسلادھار چول واقع ہوا ہے اس کے تو بپ بپ بپ پیدا ہونے پر نرس نے مٹھائی نہیں اس کے منہ کو بند کرنے کے لیے ٹیپ مانگی تھ تھ تھی۔" اور اس سے پہلے کہ علی ضمیر بھائی کو کوئی کرارا سا جواب دیتا اٹیچی کیس اور کپڑے کے تھیلوں میں چھپا کوئی شخص لڑکھڑاتی چال کے ساتھ اندر داخل ہوتا نظر آیا اور انہیں سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر سامان ان کے سامنے لاڈھیر کیا' سنگ دل لوگوں کے خون کی طرح سفید دھوتی کرتے پر تشویش ناک حالت میں موجود پگڑی افغانستان کی حکومت کی طرح ڈول رہی تھی جسے اتار کر ہاتھ میں لے کر سر کو کھجاتے ہوئے وہ وہیں اٹیچی کیس کے اوپر ہی بیٹھ کر سانس بحال کرنے لگا۔

"ابا' لگادی تھی کہاں اتنی دیر؟" چندا نے اس نوری نت اور مولا جٹ کے مکسچر نما شخص کو ابا کہہ کر ضمیر بھائی اور خاص طور پر علی کے حواسوں پر بجلی گرادی تھی۔ وہ دونوں کسی رخ سے بھی باپ اور بیٹی نہیں لگ رہے تھے۔

"او پتری' تو ان شہر والوں کی چالاکیاں نہیں جانتی۔" سر پر حسب ضرورت کھجا لینے کے بعد علی اور ضمیر کو فلم میں موجود ایکسٹراز جتنی اہمیت دیتے ہوئے سرسری نظر سے دیکھنے کے بعد وہ چندا کی طرف متوجہ ہوئے۔

"لیکن ہوا کیا؟"

"او ہونا کیا تھا۔ سوزوکی والا بیٹھ کر ہمارے ... آیا ہے تے کرایہ مانگ رہا ہے میرا تیرا۔" منہ بسور... ہوئے ابا ضمیر بھائی کی طرف مڑے۔

"کیوں جی' کرایہ تن پہ تقسیم ہونا چاہیے ... نئیں؟ خیر توں ای بتادے۔" علی کے بجائے ضمیر ... کی طرف متوجہ ہونے پر ضمیر بھائی کا دل چاہا کہ ... تینوں کا نیم دائرہ بنا کر خود درمیان میں لڈی ڈالیں ... انہوں نے اس قدر عقل مند اور اہم سمجھا کیونکہ ... جینا بھی ان دونوں کی موجودگی میں زیادہ تر علی کو ... اہمیت دیا کرتی۔ سو جواب دینے کے لیے ضمیر بھائی ... بولنے کی ہی تگ ودو میں تھے مگر کیا کرتے الفاظ ... ہٹ دھرم کرایہ دار بنے باہر نکلنے پر تیار ہی نہ ... ہو رہے تھے اور اسی دوران خود ابا دوبارہ بول پڑے۔

"چل رین دے یار' اتنی دیر میں تے جا زوی ... جاتے ہیں۔"

"ابا ہمیں اب چاہیے چلنا۔" چندا نے ... سامنے رکھے اٹیچی کیس کا ہینڈل پکڑ کر سیڑھیوں ... طرف رخ کیا۔

"تو کیا اب سے پہلے آپ لوگ وہیل چیئر یوز کر... تھے؟" علی کی بات پر ابا نے پہلی مرتبہ غور سے ... دیکھا۔

"واہ اوے پتری' تو تے بڑا مخولیا ہے۔ کیا بات ... ہے۔"

"نہیں سمجھ آئی؟ پھر کروں؟" علی نے فری آفر ... پیش کی مگر ضمیر بھائی نے آنکھوں اور ابروؤں کے عجیب و غریب اشاروں کے ساتھ بات کرتے ہوئے ابا کو ... آفر نظر انداز کرنے پر مجبور کردیا۔

"نن نن نن نہیں رہنے دو' تم جاؤ اور کچھ ..." ادھوری بات کے خاتمے پر پھر اشارے علی کو سمجھا ... تھے کہ وہ یقیناً" ابا اور چندا کی مہمان نوازی اس ... ہاتھوں سے کروانا چاہتے ہیں جبھی مسکراتے ہوئے ... دونوں کو دیکھتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ بیٹھیں نا پلیز۔" ضمیر بھائی کے ہمراہ اب ... صوفوں پر آکر بیٹھ چکے تھے اور ابھی مسکراہٹوں کا تبادلہ ہونا شروع ہوا ہی تھا کہ علی ٹرے میں چائے کے دو کپ لیے ان کے سامنے بھی موجود تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے رشتہ دیکھنے والی فیم کے سامنے عام طور پر چائے کی ٹرالی لے جانے والی لڑکیوں کا ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ شرماہٹ گھبراہٹ کی جگہ یہاں دلیری اور ہوشیاری تھی۔

"پتری' ویسے اس کی ضرورت تو نئیں تھی۔" ابا نے رسماً" کہتے ہوئے کپ اٹھانا چاہا مگر علی نے فوراً" ٹرے پیچھے کرلیا۔

"چلیں کوئی بات نہیں جی' پھر سہی کیوں ضمیر بھائی؟" مگر اس سے پہلے کہ ضمیر بھائی کوئی جواب دیتے ابا نے فوراً" اٹھ کر علی کے ہاتھ سے ٹرے جھپٹنے کے انداز میں لیا اور اپنا کپ لے کر دوسرا چندا کے سامنے رکھتے ہوئے بولے۔

"نئیں' میرا مطلب تھا کہ اب چلو پی ہو لیتے ہیں۔" بات کرکے ابا نے ایک گھونٹ لینے کے لیے کپ منہ کو لگایا ہی تھا کہ چندا نے اپنا کپ برا سا منہ بناتے ہوئے واپس رکھ دیا۔

"اتنی ٹھنڈی چائے۔"

"ٹھ ٹھنڈی؟" ضمیر بھائی نے انکوائری کرتی نظروں سے علی کو دیکھا جو خود ان تینوں سے کہیں زیادہ حیران دکھائی دے رہا تھا۔

"ٹھنڈی کیسے؟ ابھی چار گھنٹے پہلے ہی تو آپ نے بنائی تھی تب تو منہ جلا رہی تھی۔ اسے ٹھنڈی آخر کر کون گیا؟" حیرت کے ساتھ سوچتے ہوئے علی نے ضمیر سے معصومانہ سوال کیا جس کا جواب دینے کے لیے ضمیر بھائی نے کوششیں تیز کردی تھیں مگر ان کے کامیاب ہونے سے پہلے ہی چندا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اٹھیں ابا' چلتے ہیں اپنے گھر۔" لیکن ضمیر بھائی کو یقیناً" یہ گوارا نہیں تھا کہ ان کے مہمان کچھ کھائے پیے بغیر ہی گھر سے چلے جائیں اسی لیے کمال پھرتی سے خود اٹھ کر ڈبے والے دو جوس اٹھا کر ان کے آگے رکھ دیے۔

"لیے کیسے اپنے گھر۔ آپ پیے۔" ضمیر بھائی نے "پئیں" کہنے کے عمل سے گزرنے کے دوران انہیں ہاتھ کے اشارے سے ہی جوس پینے کا کہا تو ابا نے مال غنیمت جانتے ہوئے جوس کا ڈبا لیا اور انہیں مزید کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

"تو رین دے' نہ جھٹکے مار۔ ہم ویسے ہی پی ٹی لیتے ہیں۔" ابا نے اسٹرا کی مدد سے ایک ہی سانس میں جو جوس پینا شروع کیا تو ایسے کہ ڈبے کے اندر سے بھی آوازیں آنے لگیں۔ ڈبے کے اندر ہوتے اس احتجاج نے خود چندا کو بھی شرمندہ کردیا تھا سو نظریں چرا کر لفظ چباتے ہوئے اطلاعی انداز اپنایا۔

"ابا جوس ہوگیا ہے ختم' اس لیے پلیز چھوڑ دیں اب اسے۔"

"چھوڑ دوں؟" ابا نے جس حیرت اور غصے سے چندا کو دیکھا تو اسے لگا جیسے ابا جوس کے ڈبے کے اندر ہوتی شرل شرل کی وجہ سے کچھ غلط سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید اس نے ابا کو ڈبا نہیں یہ دنیا ہی چھوڑنے کو کہہ دیا ہو۔

"یہ ڈبا چھوڑ دوں؟ تے یہ جو جوس ڈبے کی دواروں پر لگا تھا اور یہ جو کونوں میں بچا تھا' او کیا یہ مخنو مخت ملا تھا دکان سے؟" ان کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چندا نے عملی قدم اٹھاتے ہوئے ان کے ہاتھ سے ڈبا لے کر ٹیبل پر پٹخا تو اسٹرا سے جوس کا ایک قطرہ ٹرے میں جاگرا اس وقت ابا کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لائق تھے۔ انتہائی دکھ سے چندا کو دیکھا۔

"کرادیا نا ضائع۔!" جواباً" ایک مرتبہ پھر خاموشی سے چندا ان کو لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

"آپی آجائیں تو ہم چکر لگائیں گے آپ کے گھر کل۔" علی نے یوں خاموشی سے انہیں اپنے دیس سدھارتے دیکھا تو خود ہی کہہ دیا جس پر ابا نے چندا اور چندا نے ابا کو یوں دیکھا جیسے سیڑھیاں اترتے ہوئے انجانے میں دو سیڑھیاں پھلانگ گئے ہوں چہرے کی

بے یقینی پر قابو پاتے ہوئے اوپر کی طرف بڑھتے قدم کو روک کر چندا نے نیچے کھڑے علی اور ضمیر بھائی کو ناپسندیدہ میزبانوں کی نظر سے دیکھا۔

"ہمارا گھر کوئی موت کا کنواں نہیں ہے، جو لگائیں گے آپ چکر۔"

"اول تے آنے کی ضرورت ہی کوئی نئیں، پر اگر ضرور آنا ہی ہے تے فیروی اک واری سوچ لو اور نہ ہی آو تے میربانی۔"

چندا ابا کی باتوں پر شرمندہ سی محسوس تو ہوئی، لیکن سرکاری ٹی وی کے نیوز اینکرز کی طرح اسے وہی بیان دینا، بولنا تھا جس سے سرکار خوش ہو، جبھی بغیر کچھ کہے اس نے ابا کی تقلید میں قدم بڑھا دیے جو ایک ہاتھ ریلنگ پر رکھے گنگناتے ہوئے اوپر کی طرف رواں دواں تھے۔

چل چلیے دنیا دی اوس نکرے
جتھے خرچہ نہ خرچے دی ذات ہو وے

نظر سے اوجھل ہو جانے پر ضمیر بھائی نے سامنے رکھے ابا کے سامان پر لات مارتے ہوئے غصے سے علی کو دیکھا۔

"بب بڑے بوڑھے جہیز کو لعنت کیوں کہتے ہیں، تمہیں دیکھ کر سب سمجھ مم میں آگیا ہے۔" گردن کو ہونہہ کے انداز میں جھٹکا دیتے ضمیر بھائی کی عینک اس بغیر پیشگی اطلاع کے جھٹکے کی تاب نہ لاتے ہوئے پھر سے ناک کی آخری حد پر تھی جسے اس کی اصل جگہ پر پہنچانے کے بعد ضمیر بھائی باہر نکلنے کے ساتھ بڑبڑاتے گئے۔

"سیلابی پانی میں موجود سس سانپوں کی طرح کیسی کیسی چیزیں آجاتی ہیں جہیز میں۔" کسی بھی قسم کا جواب دیے بغیر علی بڑے سکون سے اداکار کی طرح تمام باتوں کے جواب میں صرف مسکراہٹ سے کام لیتے ہوئے خود کو ان سے زیادہ عقل مند اور مہذب ثابت کر رہا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ مرکز نگاہ اب تک وہی سیڑھیاں تھیں جہاں سے چل کر چندا اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

قلم دو چار ایسے ہی لگا لیتا ہوں جیبوں میں
مرے احباب میں اس سے میری توقیر بڑھتی ہے
کبھی لکھنے لکھانے کی تو کہیں نوبت نہیں آتی
میں ناڑا ڈال لیتا ہوں ضرورت جب بھی پڑتی ہے

آج اتوار کا دن ہونے کی نسبت سے ضمیر بھائی کو خیال آیا کہ کیوں نا اپنے ایک پرانے دوست سے ملنے جایا جائے اور نہ صرف ملنے جایا جائے بلکہ اہتمام کے ساتھ جایا جائے جبھی انہوں نے شلوار قمیص پہننے کے ارادے سے وارڈ روب سے ہینگر لیا مگر قسمت ایسی کہ نہ تو شلوار میں ازار بند تھا اور نہ ہی وارڈ روب کے مخصوص کارنر میں موجود اور بالفرض اگر ازار بند مل بھی جاتا تو وہ ڈالتے کس سے۔ اسی تلاش میں پہلے تو انہوں نے چینا کی مدد نہ لینے کا سوچتے ہوئے خود کوشش کی مگر ضمیر بھائی کو تو سامنے کھڑا ہاتھی نظر نہ آئے یہ ازار بند بھلا کیسے ملتا۔ جبھی جھنجلا کر ازار بند کی تلاش میں مزید چھاپے مارنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اعلا حکام یعنی چینا سے رابطہ کرنے کا ایک اصولی موقف اپنایا اور عین وقت پر پہنچنے کا ناممکن ارادہ لیے وہ تیز قدموں سے لاؤنج میں داخل ہوئے تو خالہ صوفے پر بڑے مزے اور سکون سے لیٹتے ہوئے پاپ کارن کا بڑا سا باؤل اپنے پیٹ پر رکھے ہوئے تھیں اور ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ کھانے کا بھی شغل جاری تھا۔ البتہ ہنسنے سے پہلے حفاظتی تدبیر کے طور پر وہ ایک ہاتھ سے باؤل کو پکڑ بھی لیتیں تاکہ ہماری فلموں کے معیار کی طرح ایک دم گر نہ جائے۔ دائیں ہاتھ پر رکھے دوسرے صوفے پر چینا دونوں پاؤں صوفے پر رکھ کر ایک ہاتھ میں ریموٹ لیے ہوئے تھی اسی دوران علی بھی بیرونی دروازے سے اندر آتے ہوئے ضمیر بھائی کے یوں غور و خوض کرنے کے انداز پر غور کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ آخر ایسا کیا ہوا ہے کہ ضمیر بھائی کے

چہرے پر بے یقینی کے تاثرات نظر آ رہے تھے مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا یا پوچھتا خود ضمیر بھائی نے ہی اس راز سے پردہ اٹھا دیا۔

"چینا یہ آج چھ چھ چھٹی والے دن کیسا سلوک کر رہی ہو تم میرے ساتھ؟"

"بالکل ویسا ہی نا جیسا الیکشن ہارے ہوئے امیدوار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔" علی اور خاموش رہتا یہ انتہائی ناقابل یقین بات تھی لہٰذا چینا کو ٹی وی ڈرامے میں حد سے زیادہ مصروف دیکھ کر علی نے خود ہی جواب اس لیے دیا تاکہ ضمیر بھائی انہیں لاجواب خیال نہ کریں۔

"چینا۔" بڑے انہماک سے ٹی وی دیکھتی چینا کو ضمیر بھائی نے پوری قوت سے للکارا۔

"اپنی اوقات کا تو بندے کو خود پتا ہوتا ہے ضمیر بھائی، پھر بھی آپ خوا مخواہ ٹرائیاں مار رہے ہیں۔" ایک مرتبہ پھر ہمیشہ کی طرح دل جلا تا جواب سن کر اب ضمیر بھائی کی برداشت بے وفا صنم کی طرح بغیر پیشگی نوٹس کے ساتھ چھوڑ گئی تھی سو تیز قدموں سے چلتے ہوئے عین اس کی پشت پر آ کھڑے ہوئے۔

"کتنی دیر سے بب بلا رہا ہوں تمہیں۔" ان کی اچانک آواز پہ چینا بیٹھی۔۔۔ گھبرا بلکہ ہڑبڑا گئی لیکن پھر ڈرامے میں مداخلت ہوتی دیکھ کر حلق تک کڑوا ہوتا محسوس ہوا۔

"چینا کو کیا پتا، کتنی دیر سے بلا رہے ہو۔ ٹائم نوٹ کر لینا تھا نا۔"

"ضمیر، تم نے صرف یہ پوچھنے کے لیے ہمیں کرپٹ کیا ہے؟" پیٹ پر رکھے پاپ کارن کے باؤل کو اٹھا کر میز پر رکھنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھی تھیں۔

"خالہ کرپٹ نہیں انٹرپٹ ہوتا ہے۔" علی نے درستگی کرنی چاہی مگر ہمیشہ کی طرح غلطی ثابت ہوئی۔

"کرپٹ بھی کبھی انٹرپٹ ہوتا ہے بھلا؟" انہوں نے علی سے سوال کیا اور حسب پسند نفی میں جواب بھی وصول کیا تو مسکرا دیں۔

"مجھ سے زیادہ تو خالہ چچ چینا کو یہ ڈرامے اچھے لگنے لگے ہیں۔" ضمیر بھائی نے چینا کی شکایت لگائی۔

"تو کیوں نا لگیں روز نئے جو ہوتے ہیں۔" چینا نے بھی اپنا دفاع کچھ اس انداز میں کیا کہ واضح طور پر ڈراموں کو ضمیر بھائی پر فوقیت دے گئی۔

"ایک ہی ڈرامہ ساری زندگی دیکھنا بھی تو سزا ہی ہے نا ضمیر۔" خالہ کا واضح اشارہ ضمیر کی طرف تھا۔

"خالہ آپ تو ایک طرف مگر چینا تت تم اچھا نہیں کر رہی اپنے مم مجازی خدا کے ساتھ۔"

"ہاں تو مجازی خدا بھی تو چینا کی وجہ سے بنے ہو نا پہلے تو ہر بندہ تمہیں انسان بنو، انسان بنو ہی کہا کرتا تھا۔" چینا نے خفگی سے چینل بدلا تو اس بار خالہ ضمیر بھائی کی حمایت کرنے لگیں۔

"ہم کب اسے حیوان بنو کہتے تھے بھئی۔"

"دیکھا نا خالہ، جب سے یہ فف فضول ڈرامے دیکھنے لگی ہے ہر وقت مجھے نیچا دکھاتی رہتی ہے۔"

"کیوں ضمیر؟ کیا تم خود سے نیچے نہیں دیکھ سکتے؟" خالہ کی باتیں ضمیر کو اگربتی کی طرح مدھم مدھم سلگاتے ہوئے یقیناً "پوری طرح جلا دینا چاہتی تھیں اور اپنی خالہ کو چینا کی حمایت میں بولتے دیکھ کر ضمیر بھائی کو غصہ آیا تو سامنے رکھے ریموٹ سے ٹی وی بند کر دیا۔

"ضمیر خبردار، جو تم نے ٹی وی بند کیا، چینا کے ابا نے دیا تھا۔" چینا ہماری پولیس کی طرح وقوعہ ہو جانے کے بعد حرکت میں آئی تھی۔

"ہاں ہاں۔۔۔ بب بب بے کار ہے چینا کی طرح۔" ضمیر بھائی نے چینا کا انداز اپنایا۔

"ارے کار ہی لینی تھی تو ضمیر پہلے بولتے، اب تو شادی ہو گئی۔" ٹی وی بند ہونے کے بعد اب خالہ کا مکمل دھیان ان دونوں کی طرف تھا جو مختلف چینلز کی طرح اب براہ راست لڑ رہے تھے۔

"جی ہاں، میں تو پپ پچھتا رہا ہوں شش شش شادی کر کے۔"

"تو نہ کرتے نا، کتنے ہی رشتے تھے میری آپی کے۔" علی نے بھائی ہونے کا ثبوت دیا۔

"پچھے قسمت والے تھے سب ہی جو بب بچ گئے۔" ضمیر بھائی کا دل چاہ رہا تھا کہ مارننگ شوز کی جذباتی میزبانوں کی نقالی کرتے ہوئے اور کچھ نہیں تو آنکھ میں اپنی ہی انگلی چبھو کر ایک دفعہ کھل کے رولیں تاکہ پنجابی فلموں کی ہیروئنز کی مانند بھاری دل کچھ تو ہلکا ہو۔ کہاں تو ایک بیوی کی تکرار ناقابل برداشت ہوتی ہے اور یہاں بیوی کے ساتھ نہ صرف سالا بلکہ خالہ بھی اس تو تو میں میں کے فرینڈلی میچ میں سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

"قسمت والے تو ضمیر بھائی آپ ہیں جنہیں یہ ملیں۔"

"اور کیا' چینا تو کتنوں کو مل کے بھی نہیں ملی۔" چہرے پر مسکینی طاری کرتے ہوئے چینا نے علی کی بات کو آگے بڑھایا اور بات کر کے پھر علی کی طرف یوں اشارہ کیا جیسے ریسلنگ رنگ میں ایک پہلوان اپنے دوسرے ساتھی پہلوان کو کیا کرتا ہے فرق صرف یہ تھا کہ یہاں ہاتھ کے بجائے ابرو استعمال کیے گئے تھے۔

"قدر کریں ضمیر بھائی' آپی تو اللہ میاں کی گائے ہیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں اسی لیے تو مجھ کک کک کو بھوکا بب بیل بنانا چاہتی ہے بھلا کوئی چھٹی والے دن بھی شش شوہر کو یوں نظر انداز کرتا ہے۔" چینا نے حیرت بھری نظروں سے ضمیر بھائی کو موسلادھار بولتے دیکھا تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ رہا کیونکہ ضمیر بھائی کا تعلق شوہر حضرات کی اس قوم سے تھا جو بیویوں کو امریکا کے برابر درجہ دیتے ہوئے خود اپنے آپ کو ترقی پذیر ملکوں جتنی حیثیت دیتے ہیں' لیکن اب ان کا یوں خود کو ایٹمی طاقت سمجھنا چینا کے لیے پریشان کن تھا اسی لیے خالہ سے رجوع کیا۔

"خالہ آپ نے تو کہا تھا کہ ضمیر زبان نہیں چلاتا' اب دیکھا نا۔"

"دکان کیوں نہیں چلاتا بھئی؟ اس کی ڈاکٹری کی دکان تو بہت اچھی چلتی ہے۔" پاپ کارن منہ میں ڈالتے ہوئے خالہ نے چینا کا بیان رد کیا تو ضمیر بھائی انہیں اپنا ہمدرد جان کر فوراً بولے۔

"میرے کھانے پینے' آنے جانے' سونے جاگنے حتیٰ کہ مم مم میرے وارڈ روب میں ازار بند ہونے تک کی اسے کوئی پروا نہیں ہے۔"

"چینا نے تم سے شادی کی ہے ضمیر' تمہیں گود نہیں لیا۔ سمجھے!" خالہ کے بجائے علی کو سیل پر ٹیکسٹ کرتے دیکھ کر چینا خود بولی اور ساتھ ہی صوفے سے کشن اٹھا کر علی کو دے مارا جس کا واحد مقصد اسے یہ یاد دلانا تھا کہ وہ اس وقت اپنی کلاس کی پچھلی سیٹ پر نہیں بلکہ محاذ کی شکل اختیار کیے لاؤنج میں موجود ہے جہاں اس کے برقی پیغامات کے بجائے صوتی اثرات کی زیادہ ضرورت ہے۔

"اب پتا چلا کہ شش شش شادی پر ٹھسا ٹھس کر لڈو اس لیے کھلائے تھے تاکہ باقی تمام عمر کی کڑواہٹ ہنسی خوشی بب بب برداشت کرلوں۔" کشن لگنے سے لڑکھڑاتے ہوئے علی کو دیکھ کر ضمیر بھائی نے وہ پرانا وقت یاد کیا جب علی بڑے خوشامدانہ انداز میں انہیں "تھوڑا سا اور' تھوڑا سا اور" کہہ کر تن تنہا ایک کلو لڈو یوں کھلا گیا تھا کہ اگلے کئی روز تک وہ لڈوؤں کو دیکھنا تو دور ان کا نام سن کر بھی سہم جایا کرتے۔

"جی نہیں۔ لڈوؤں کے اوپر سے اگر چھپکلی نہ گھوم گئی ہوتی تو بھلا کسے شوق تھا انہیں ضائع کرنے کا۔" علی نے کھرا سچ بول کر ضمیر بھائی کے توتے اڑا دیے تھے۔

"اور آپی' آپ بے فکر ہو کر جواب دیں' میں بھی انہیں لڑائیوں والے ٹیکسٹ کر رہا ہوں تاکہ انہیں پتا چلے کہ ہم کوئی عام لوگ نہیں۔" ایک بار پھر علی بڑے زور و شور سے انگلیوں اور انگوٹھوں کی مدد سے موبائل وار کرنے لگا۔ وہ دو اور ضمیر ایک۔ خالہ کو ترس آنے لگا تھا سو ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولیں۔

"وہ غلطی تمہاری اپنی ہے ضمیر۔"

"ہاں تو میں نے کب اور کس سے کہا کہ سچ مچ چینا کسی اور کی ہے۔"

"شادی پر تو تمہارا جوتا بھی چھپایا گیا کہ سائن آؤٹ ہو جاؤ' لیکن تم لاگ ان ہی رہے اور ٹائم آؤٹ ہو گیا۔" خالہ نے دلی ہمدردی ظاہر کی۔

"تت تت تب ایسا ہوا ہو گا خالہ' لیکن اب نن نن نہیں ہو گا۔"

لہجے کو مکمل طور پر سنجیدہ اور بارعب بناتے ہوئے ضمیر نے کہا تو چینا اور خالہ کے ساتھ ساتھ علی بھی موبائل چھوڑ کر انہیں دیکھنے لگا جو ہاتھ میں ریموٹ لیے وہاں سے جا رہے تھے کہ چینا بے تابی سے ان کی طرف لپکی۔

"رکو۔ ضمیر پلیز رکو۔ چینا کی بات تو سنو۔"

اور تب ضمیر بھائی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہیں محسوس ہوا کہ چینا ان سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ یوں ان کے ناراض ہو کر جانے پر کیسی بے قراری اور بے خودی کے عالم میں انہیں روک رہی ہے۔ دل کی تو یہ حالت تھی کہ اس وقت چینا کی خاطر وہ کچھ بھی کر سکتے تھے مگر چونکہ ذرا نخرہ تو دکھانا تھا تاکہ چینا کی محبت مزید کھل کر خاص طور پر علی کے سامنے آشکار ہو سکے اس لیے دایاں ابرو اٹھا کر نیم مسکراہٹ کے ساتھ حیرت زدہ علی کو دیکھا اور فاتحانہ انداز اپناتے ہوئے پیچھے مڑ کر چینا کو دیکھنے کے بجائے وہیں رک کر بولے۔

"سس سس سوری مت کہنا چینا' میں معاف نہیں کروں گا۔" ضمیر بھائی کو محسوس ہوا کہ خود ان کی آواز نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اور بھلا وہ یہ چاہتے بھی کب تھے۔ وہ تو بس اب پیچھے مڑ کر چینا کو پیار بھری نظر سے دیکھ کر اسے بتانا چاہتے تھے کہ وہ تو ساری عمر اس کے لیے رک سکتے ہیں۔

"تو سوری کہہ کون رہا ہے تمہیں۔ جہاں جانا ہے جاؤ اور بے شک واپس نہ آؤ لیکن یہ چینا کا ریموٹ دے جاؤ۔"

چینا کے الفاظ تھے کہ بجلی۔ سارے اوسان خطا کر کے تمام امیدوں پر جو پانی پھیرا تو ضمیر بھائی نے انتہائی غصے کے عالم میں ریموٹ صوفے پر پھینکا اور خود باہر نکلتے ہوئے کسی غمگین گانے کے الفاظ سوچنے لگے۔

"کاش چینا ضمیر کو انتہائی بدتمیز کہہ سکتی۔ ہونہہ۔" ایک بار پھر خالہ نے سابقہ پوزیشن سنبھالی اور چینا ٹی وی پر اپنا پسندیدہ چینل آن کر کے دیکھنے لگی جہاں ڈرامے میں ایک ایسی عورت کی کہانی دکھائی جا رہی تھی جو شوہر کو حقیقی معنوں میں مجازی خدا کا درجہ دے کر چینا کی پسندیدہ ترین اسٹوری بن چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

سارے گھر کی سیٹنگ کرتے کرتے ابا تھکنے لگے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کچن میں چلے آئے اور چائے بنانے کا ارادہ کرتے ہوئے پہلے تو پانی تاپ کر ابلنے کے لیے چڑھایا اور اسی دوران کیبنٹ سے ایلومونیم فوائل میں تہ در تہ لپٹا ٹی بیگ کھول کر کپ میں رکھا اس پر کھولتا ہوا پانی ڈال کر ٹی اسپون سے چند لمحے دبانے کے بعد ٹی بیگ کو دیوار پر نصب ہینڈ ڈرائر کی مدد سے خشک کر کے دوبارہ اسی فوائل میں لپیٹ کر واپس رکھا اور فریج سے ڈراپر نکال کر اس کی مدد سے چند قطرے دودھ کے ٹی بیگ ملے پانی میں ڈالے' ڈراپر پھر سے مضبوطی سے بند کر کے ابھی فریج میں رکھا ہی تھا کہ منہ لٹکائے چندا کو اندر آتا دیکھا تو اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیوں پتری' لگتا ہے چاء شاء پینی ہے۔"

"ہاں ابا۔ چاہ رہا۔ تو ہے دل میرا۔" گردن گھمائی چندا وہیں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"بس تے فیر دکھ لے' تیرے ابا کو پہلے ہی پتا چل گیا تھا کہ تو نے چاء پینی ہے۔" اپنی قابلیت ثابت کرتے ہوئے مسکرائے اور کپ لے کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"یعنی آپ نے بنا دی ہے پہلے ہی؟" چندا حیرت سے خوش ہوتی تھی مگر یہ خوشی

فوراً" نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"نئیں تو" میں نے کب کہا کہ میں نے تیرے لیے چاء بنا دی ہے؟" "تو پھر پوچھ رہے تو آپ ایسے ہی تھے کہ لگا مجھے شاید آپ نے بنا دی ہو چائے۔"

"او نئیں پتری' پوچھ رہا تو میں اس لیے تھا کہ تجھے بتا دوں کہ چاء پینے کے کتنے نقصان ہوتے ہیں' اس لیے تو چاء نہ پیا کر۔"

ابا نے اتنی چھوٹی سی چسکی لی کہ چندا کو گمان گزرا جیسے ابا صرف چائے کے اندر اپنے ہونٹ ہی بھگونے کی نیت سے کپ کو منہ تک لے کر گئے تھے۔

"اگر نہیں ہوتی اچھی تو پھر آپ خود کیوں پورا کپ چائے کا پی رہے ہیں۔"

"اس لیے پی رہا ہوں پتری تاکہ تو نہ پیے۔"

"اوہو لیکن کیوں؟" وہ جھنجلا گئی تھی کیونکہ اس وقت اسے چائے کی طلب خطرناک حد تک محسوس ہو رہی تھی اور ابا اس کے سامنے بیٹھے کپ کو تھامے ہوئے تھے۔

"کیونکہ یہ صاف نہیں ہے۔" اپنے تئیں انکشاف کرتے ہوئے ابا نے ایک بار چسکی لی۔

"تو کیا آپ خود پی رہے ہیں گندی چائے؟" ابا کی باتیں اسے اکثر اوقات ہی سمجھ میں نہیں آیا کرتی تھیں اور ہمیشہ وہ ان کے مختصر جملے کے بعد تفصیلی بیان جاری کرنے کے انتظار میں رہی۔

"او نئیں پتری' چاء تو صاف ہی ہے پر لگتا ہے دودھ ذرا گندا تھا۔"

"نہیں ابا' دودھ والا تو ہے بہت ہی صفائی پسند۔" چندا نے فوراً ہی ابا کا بیان رد کر دیا تھا۔

"صفائی پسند؟ کیوں... وہ مجوں (بھینسوں) کے باڑے میں جھاڑو لگاتا ہے؟" چندا کا یوں برق رفتاری سے دودھ والے کے حق میں بیان دینے سے ابا کے ذہن میں فوراً ہیر کے باڑے کی صفائی کرتے رانجھے کی کہانی گھومی تو بھنوؤں کے درمیان فاصلہ کم کر کے آنکھوں کو سکیڑا تو چندا کو لگا کہ یہ انہوں نے بات نہیں کی بلکہ اپنے لہجے اور لفظوں پر خود ہی تشدد کر ڈالا ہو۔

جبھی بات کو دوسرے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"ابا دراصل وہ لوگوں کو دینے سے پہلے دھولیتا ہے اچھی طرح برتن۔"

"یعنی مطبل یہ ہوا کہ پھر وہ دودھ میں پانی نہیں' پانی میں دودھ ملاتا ہے۔" چندا نے مسکراتے ہوئے ہاں کا اشارہ کیا تو ان کی ایک اور چسکی ادا ہوئی اور وہ کچھ سوچنے کے بعد بولے۔

"اب سمجھا کہ دودھ میں مچھیاں شچھیاں کہاں سے آئی ہیں؟"

"کیا؟" چندا ان کی ناقابل یقین اطلاع پر حیران ہوئی۔

"یعنی آج دودھ سے نکلی ہیں مچھلیاں؟"

"تو ظاہر ہے پتری' ایک لیٹر سے دودھ سے تیرا کیا دل تھا مگر مچھ نکلتا؟"

"لیکن ابا آپ سوچیں نہ خود کب... نہیں بلکہ میں اسے کرتی ہوں منع کل ہی۔" انتہائی غصے میں چندا کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس دودھ والے کو کھری کھری سنا کر آئے۔

"کیا مطبل ہے پتری؟ اسے دودھ شودھ دینے سے منع کرے گی؟"

"نہیں ابا' دودھ دینے سے نہیں بلکہ منع تو کروں گی تالابوں کا پانی ڈالنے سے... ہم سے اتنے پیسے لیتا ہے تو کیا وہ نہیں ڈال سکتا دودھ میں منرل واٹر..."

"شش..." ابا نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا اور دودھ والے کے آس پاس نہ ہونے کی یقین دہانی کرتے ہوئے بولے۔

"اس میں ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے' اس لیے اسے کچھ نہ کہیں۔"

"ہمارا ہی فائدہ؟" ایک بار پھر وہ ابا کی باتوں کو سمجھنے سے محروم تھی۔

"تے ہور کی... دیکھ پتری' وہ ہمیں بے نقوف سمجھتا ہے نا... پر اس پاغل کے پتر کو تو اتنا بھی نئیں پتا کہ پیسے تو وہ ہم سے لیتا ہے دودھ کے اور مچھیاں

مچھیاں تو مختو مخت دے جاتا ہے... اب بتا فائدہ ہے کہ نئیں؟" چندا نے کسی نتیجے پر پہنچنے کے دوران ابا کو دیکھا۔

"یہ جو آج مچھیوں کا سالن کھایا تھا اسی دودھ سے ہی نکلی تھیں نا اور سبزی کے پیسے بچ گئے۔" فخریہ انداز میں بیان کرتے ہوئے ابا نے کپ خالی ہونے پر ٹونٹی سے ایک گھونٹ پانی کپ میں ڈالا اور کھنگالنے کے انداز میں اسے کپ میں گھما پھرا کر پینے کے بعد اسی کپ کو دھلے ہوئے برتنوں کے ساتھ رکھ دیا تو چندا جو ابھی پرانے مسئلے پر ہی کچھ سوچ رہی تھی کہ اب ابا کے اس عمل پر اسے بھول کر کپ کھنگالنے پر بول اٹھی۔

"ابا پلیز پانی پینے کے لیے لیا کریں نا گلاس۔"

"اونہ نہ' میں نے کوئی پانی شانی نہیں پینا' وہ تو ذرا کپ دھویا تھا تو سوچا پانی ضائع ہی ہوتا ہے چلو میں پی لیتا ہوں۔" ان کی اس قدر کنجوسی (جسے ابا کفایت شعاری اور بچت کے نام سے پکارا کرتے تھے) چندا کو ہمیشہ ہی دانت کچکچانے پر مجبور کر دیتی۔

"لیکن ابا یہ ساری چیزیں تو ہوتی بھی ہیں استعمال کے لیے۔"

"اور پیسہ ہوتا ہے جمع کرنے کے لیے۔" وہ اپنے موقف پر قائم تھے۔

"لیکن کریں گے کیا اتنے پیسوں کا؟" چندا کی بات انہیں غصہ دلا گئی تھی۔

"شادیوں پر نوٹوں کے ہار بناؤں گا... اور کش؟" ابا کے یوں غصہ ہونے پر چندا نے برا مناتے ہوئے منہ بنایا اور دونوں ہتھیلیوں پر چہرہ ٹکاتے ہوئے نظریں جھکا لیں اور یہی وہ منظر تھا جو ابا کی کمزوری تھا کرسی ذرا آگے کھسکاتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پرسکون انداز میں مناتے ہوئے بولے۔

"او پتری' کیوں فکر کرتی ہے... میرے مرنے کے بعد تو سارا کش تجھے ہی ملنا ہے نا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' لیکن آپ پتا نہیں کب..." نظریں اٹھا کر ہنوز روٹھے چہرے کے ساتھ اس کے منہ سے الفاظ پھسلے اور ایک بار پھر ابا کا موڈ بجلی کی قیمت کی طرح بدل گیا۔

"تاں چل مان لیا کہ تجھے دے ہی دوں' تو میرے مرنے کے بعد پھر تو کیا کرے گی؟"

"قل ہی کروں گی نا' اب میں تو رہی لڈی ہو جمالو کرنے سے۔"

چندا بات کرتے ہوئے پیر پٹخ کر چائے نہ ملنے کے دکھ میں وہاں سے جا چکی تھی مگر ابا کے لیے سوچوں کا ایک باب کھول گئی تھی۔

"میری قل پہ رب جانے کتنا خرچہ کر دے گی... پاغل سی تو ہے۔"

(باقی آئندہ)

ناولٹ

فاخرہ گل

خاک سارا اور دوپٹہ لال



دوسری قسط

جس طرح ملا کی دوڑ مسجد تک مشہور ہے بالکل اسی طرح اہل محلہ کے نزدیک ضمیر بھائی کی دوڑ بھی اپنے کلینک تک ہی تھی اور کلینک بھی وہ جوان کے "تکرار ہاؤس" ہی کے اندر موجود تھا۔ نیچے والا پورشن کرایہ پر لینے کے لیے پسند ہی اسی لیے کیا گیا تھا کہ کلینک گھر میں ہوگا تو وہ چینا کی نظروں کے سامنے رہیں گے لیکن ذرا سا نقصان یہ ہوا کہ نئی نویلی بیوی کی طرح وہ کبھی گھر سے باہر نکلے ہی نہیں کہ اکثر تو وہ خود ہی اپنے کلینک میں مصروف ہوتے اور یوں بھی جب سے چینا سے شادی ہوئی تھی دوست احباب تو آہستہ آہستہ کراچی میں امن وامان کی طرح ختم ہوتے گئے۔ البتہ اب بھی کچھ ایسے تھے کہ جو کلینک پر ان سے ملنے آتے تو ضمیر بھائی خاطر مدارات کرتے ہوئے نزلہ زکام بخار کی گولیاں دے دیا کرتے۔ وہ ان سے ملنے کے بہانے دوائیاں لے جاتے تھے یا دوائیوں کے بہانے ملنے آتے تھے یہ بات البتہ غور طلب تھی مگر یہ بھی اطمینان تھا کہ چلو ان چند دوستوں سے اب تک رابطہ تو ہے۔

گھر بسانے کے لیے ڈھول پٹوانے گئے
یوں سمجھ لو اپنی گردن آپ کٹوانے گئے
اب کہاں فرصت نبھائیں دوستوں سے دوستی
"اک ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے"

اور آج جب بڑے اہتمام سے کلف دار شلوار سوٹ پہن کر دوستوں سے ملنا چاہا تو وارڈروب نے ہی ساتھ نہ دیا۔ ٹی وی سے رغبت معمولی تھی۔

سو لاسٹ آپشن کے طور پر اخبار کا چناؤ کیا گیا یوں بھی ضمیر بھائی ٹی وی کے مقابلے میں اخبار ہی کو زیادہ پسند اس لیے کرتے تھے کہ خبریں پسند نہ آنے کی صورت میں اخبار پھاڑا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اخبار حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کے لیے نہیں بلکہ اس بری خبر کو ڈھونڈنے کے لیے پڑھ رہے تھے جسے پڑھنے کے بعد اخبار کو پھاڑے جانے کا جواز مل سکے۔

چینا کو پتا تھا کہ ان کا موڈ اس وقت کسی امیرزادے کی طرح بگڑا ہوا ہے جب ہی چائے لے کر آئی اور چہرے پر بڑی محبت کے نمبر تاثرات سجاتے ہوئے بایاں ہاتھ بڑے پیار سے ان کے ہاتھ پر رکھا اور آہستگی سے اخبار لے کر پرے رکھ دیا۔

اندھا کیا چاہیے دو آنکھیں، ضمیر بھائی کو صرف توجہ ہی تو چاہیے تھی سو ذرا سی محبت کے ساتھ چینا نے حقیقتاً "انہیں شوہر سمجھا تو تازہ ترین چپقلش بھلا بیٹھے۔

"ایسا کیا لکھا ہے اس اخبار میں" چینا نے ضمیر بھائی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو، کچھ ایسا خاص تمہیں لکھا ہے بس بس بس میں یہی کہ جینز ایک......"

ضمیر بھائی کی خوشیوں کے لمحات اکثر ہی انڈین اداکاراؤں کے کپڑوں کی طرح مختصر ثابت ہوا کرتے تھے سو اب بھی باہر سے آتے علی کو دیکھ کر یہی ہوا۔ چہرے پر پھیلتی مسکراہٹ اور دل میں اترتا ہلکا ہلکا رومانس ایک دم تلخی اور کڑواہٹ میں جو بدلا تو علی کو دیکھ کر ادھورا رہ جانے والا جملہ بھی اپنی مرضی کے لفظوں سے پورا کیا۔

"لعنت ہے!" مخاطب ظاہر ہے کہ علی ہی تھا۔ اور یوں ایک دم اندر آنے پر چینا بھی جز بز دکھائی دی فوراً" ضمیر بھائی کے ہاتھ پر رکھا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔

"علی، چینا نے تم سے کتنی دفعہ کہا ہے نا کہ بتا کر اندر آتے ہیں۔"

"چھوڑو چینا، برا وقت بھی کبھی بتا کر آتا ہے کیا؟" علی کے بجائے ضمیر بھائی نے جواب دے کر دکھی دل کی بھڑاس نکالی تو علی نے منہ لٹکا لیا۔

"واپس چلا جاؤں آپی؟"

"ارے نہیں نہیں...." چینا فوراً" سے اٹھ کر

اس کے قریب گئی اور ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھایا۔

"چینا کے لاڈلے' اکلوتے اور پیارے بھائی چینا کا یہ مطلب تھوڑی تھا۔"

"ہاں ہاں واپس نہ بج جاؤ کیونکہ مصیبت تو اپنے بقت پر ہی ٹلتی ہے۔" ضمیر بھائی کو چینا کی محبت اور توجہ سے بال بال بچ جانے کا دکھ بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔

"آپ نے مجھے مصیبت کہا ضمیر بھائی۔" علی نے انجان بننے کی ناکام اداکاری کی لیکن چینا نے بڑے لاڈ سے ضمیر کو کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

"بس کریں نا ضمیر' آپ بھی تو چینا کے اکلوتے اور پیارے میاں جانی ہیں نا۔"

"چلو تت تت تم کہتی ہو تو ٹھیک ہے۔۔۔ بات کرتے ہوئے یونہی بے دھیانی میں ضمیر بھائی کی نظر علی کے جوتوں پر پڑی تو یہ یاد ہی نہ رہا کہ ابھی چینا نے خاموش رہنے کی التجا کی تھی۔ سو پھر سے بول اٹھے۔

"علی' ذرا دیکھو تو' تت تت تمہارے جوتوں سے کتنی زیادہ مم مم مٹی اندر آئی ہے۔"

"اچھا؟" ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر پاؤں ہلاتے ہوئے علی نے حیرت سے کہا اور اپنا پاؤں ٹانگ سیدھی کرتے ہوئے عین ان کے سامنے کر دیا۔

"نظر تو نہیں آ رہی' پر ذرا میرے جوتے اتاریں' ہو سکتا ہے نیچے ہو۔"

علی کے اس تضحیک آمیز انداز پر ضمیر بھائی یوں ایک دم غصے میں کھڑے ہوئے کہ ہاتھ میں پکڑی چائے ان کی شرٹ پر جا گری۔ چینا بھی ضمیر کے ساتھ ہی ایک دم کھڑی ہو گئی تھی اور اب کھڑی دونوں ہاتھ کی انگلیاں مسل رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں ضمیر' چینا اور لا دیتی ہے۔۔۔ بس دو منٹ۔"

وہ فوراً" لاؤنج سے تقریباً" بھاگتے ہوئے نکلی ضمیر بھائی نے شرٹ اتار کر وہیں کارپٹ پر پھینک دی تھی اب بڑے غصے میں سامنے بیٹھ کر تیزی سے پاؤں ہلاتے اور ببل چباتے علی کو دیکھ کر چلائے۔

"چینا۔۔۔ اب لے بھی آؤ۔"

چند ہی لمحوں بعد ہانپتی کانپتی چینا ہاتھ میں چائے کا ایک اور کپ لیے سانسیں بحال کرتی ان کے سامنے تھی۔

"یہ لو ضمیر۔۔۔ چینا تمہارے لیے اور چائے لے آئی ہے۔"

"چائے؟" ضمیر بھائی کا دل چاہا کہ اس گرما گرم چائے میں اور کچھ نہیں تو سامنے بیٹھے علی کو تو ضرور ہی غسل دے ڈالیں۔

"ہاں وہ' چینا نے سوچا کہ تمہاری چائے گر گئی تھی نا تو اس لیے' چینا کو ضمیر بھائی کے تاثرات سمجھنے میں دشواری ہو رہی تھی کہ آخر وہ اب تک خوش کیوں نہیں ہو رہے۔

"چینا۔۔۔ مجھے شش شرٹ چاہیے تھی۔ چائے نہیں۔" ضمیر بھائی نے غصے میں کارپٹ سے شرٹ اٹھا کر مسکراتے ہوئے علی کو دے ماری۔

"تم نے چینا کے بھائی کو شرٹ ماری ہے ضمیر؟"

"ہاں ماری ہے پھر؟" دوبدو جواب آیا۔

"کاش چینا تمہیں گھٹیا کہہ سکتی" غصے میں چینا نے چائے کا کپ وہیں میز کے کونے پر رکھا اور خود پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

"ایک میرا چھ چھ چھٹی کا دن ہوتا ہے وہ بھی برداشت نہیں ہوتا کسی سے۔" ضمیر بھائی بھی اس سے پہلے کہ غصے میں وہاں سے جاتے کہ اچانک ٹیبل کی ٹھوکر سے یوں نیچے گرے کہ کونے پر رکھا کپ ان کی پینٹ پر الٹنے سے ساری چائے اب ان کی پینٹ پر جا گری۔ جس سے علی کے ہونٹوں پر موجود طنزیہ مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"جی تو ضمیر بھائی۔۔۔ اب کیا اتار کر پھینکیں گے؟"

ضمیر بھائی کا بس چلتا تو وہ ابھی اور اسی وقت علی کو بے ہوشی کا ٹیکہ لگا دیتے' لیکن افسوس یہ کہ ان کے اختیار میں نہیں تھا' گھر میں ان کی حیثیت بالکل ملک کے صدر جیسی تھی کہ سربراہ کے طور پر نام بے شک

انہی کا لیا جاتا تھا لیکن اختیار کے معاملے میں وہ بھی بے اختیار تھے۔ اس لیے بس کھانے جانے والی نظروں سے علی کو دیکھنے کے لیے عینک کو درست کیا اور اس پر خونخوار نگاہ ڈال کر چپ چاپ باہر نکل گئے کہ اب انہیں پینٹ بھی تو تبدیل کرنا تھی۔

✡ ✡ ✡

خالہ نے ضمیر بھائی کے دراز سے جو پیسوں کی آواز ان کے اسٹیتھو اسکوپ کے ذریعے سنی تھی وہ اتنی خوبصورت تھی کہ ان کا دل چاہا دنیا بھر کو سنائی جائے اسی خواہش کی تکمیل کے لیے وہ چینا کے ساتھ بازار گئی تھیں جہاں سے گھر سجانے کی دلدادہ چینا ایک خوبصورت سی پینٹنگ لے کر آئی تھی جبکہ ضمیر بھائی کو جب سے اس کی قیمت کا پتا چلا تھا تب سے جز بز ہو رہے تھے۔ اور چینا عین انہی کے سامنے وہ پینٹنگ ہاتھ میں لیے یہاں وہاں ہر دیوار پر اسے لگانے کی کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھی۔ علی کے سامنے چائے گرنے کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس پر چینا انہیں منا چکی تھی یوں بھی اکثر اوقات تو ضمیر بھائی کو خود ہی جان بوجھ کر یادداشت کے کمزور ہونے کا بہانہ کرتے ہوئے اس طرح کے واقعات بھولنے ہی پڑتے۔ خالہ کھیرے کے پتلے پتلے ٹکڑے کاٹ کر آنکھوں پر رکھتے ہوئے اب صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھی تھیں۔ اور آخر کار ضمیر بھائی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی ہو گیا۔

"چینا بھلا تمہیں ضرورت ہی کیا تھی اتنے روپے خرچ کرنے کی جج جبکہ گھر میں اس کی جگہ بھی نہیں ہے۔" چینا نے ایک نظر ضمیر بھائی کی طرف دیکھا اور ان کی بات کو کسی جانبدار صحافی کا سوال جان کر نظر انداز کر دیا۔

"ضمیر خراب ایسے تو نہ کہو' اتنی ہینڈسم تو ہے یہ پینٹنگ۔۔۔ خالہ نے بند آنکھوں کے ساتھ منہ کھولا۔" آپ سے کس نن نن نے کہا کہ پینٹنگ کو ہینڈسم کہتے ہیں۔"

"مجھے خود پتا ہے میں کوئی illustrate ہوں کیا؟"

ہار ماننا تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا اور تب ہی کل کے ٹیسٹ کی تیاری کرتا علی ہاتھ میں کتاب پکڑے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوا۔

"خالہ آپ تو اتنی ذہین ہیں کہ دل چاہتا ہے آپ کو بھی ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری مل جائے۔"

"بس ہیرے کی قدر تو جوہری ہی جانتا ہے۔" اپنی تعریف پر انہوں نے علی کی بھی تعریف کرنا چاہی مگر اس سے پہلے ہی علی کا اگلا جملہ کان تک پہنچا تو ارادہ ملتوی کر دیا۔

"خالہ illiterate ہوتا ہے۔" عادت سے مجبور علی نے تصحیح کی۔

"خالہ ہوتا نہیں ہوتی ہے کم عقل۔۔۔ ہونہہ بڑا آیا پڑھا لکھا۔"

علی کو کسی سے سخت سست سننا پڑتا یا کبھی اس کی بے عزتی ہوتی یہ وہ لمحات تھے جب ضمیر بھائی کی باچھیں کھل کھل جاتیں اور وہ بڑی مشکل سے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اپنے آپ کو بھنگڑا ڈالنے سے روکتے' ورنہ دل تو چاہتا کہ عین اس کے منہ کے سامنے جا کر بھنگڑا ڈالنے کے دوران گلوکوز کی ڈرپ بھی تحفہ کر دیتے۔

"علی دیکھا تت تت تمہاری تو شکل ہی عزت والی نہیں ہے۔"

"آپی جلدی دیکھیں خدانخواستہ میری شکل ضمیر بھائی سے تو نہیں مل رہی۔" ہاتھ میں پینٹنگ لیے دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی چینا کے آگے ایک دم علی نے اپنا چہرہ جائزے کے لیے پیش کیا تو وہ چونک گئی۔

"اوہو علی۔۔۔ تمہارے منہ پر اتنی پریشانی۔۔۔ ذرا مسکراؤ پلیز کیا شادی شدہ مردوں جیسا بے چارہ سا لک (Look) آ رہا ہے۔" چینا کے کہنے کی دیر تھی علی نے آئی بروز کو اٹھک بیٹھک کرواتے ہوئے ضمیر بھائی کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے آنکھ بھی مار ڈالی۔

"خالہ' دراصل علی کی تت تت تو نظر ہی خراب ہے۔" ضمیر بھائی ہر صورت میں خالہ کو اس محاذ پر

اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔

"ہاں بالکل' اسی لیے جس پر ڈالے خراب نظر ہی ڈالتا ہے۔" آنکھوں سے کھیرے ہٹا کر انہوں نے وہی ٹکڑے اب' گالوں اور پیشانی پر رگڑنے شروع کردیے تھے۔

"آپی' آپ سن رہی ہیں نا سب۔" علی نے وارننگ دینے کے انداز میں مطلع کیا۔ تو چینا کو ضمیر بھائی سے سیز فائر کرنے کی درخواست کرنی پڑی۔

"ضمیر پلیز' کیوں جنگ شروع کر رکھی ہے چینا کے بھائی کے ساتھ؟"

"اور کیا' حالانکہ میں نے ان کے ساتھ کبھی جنگ نہیں کی۔" یقیناً" علی آج سکون کے موڈ میں تھا۔

"اب ہمیں کیا پتا کہ تم نے کبھی بھنگ نہیں پی۔" خالہ نے کھیرے کے ٹکڑوں سے ریگ مار کا کام لینا شروع کر رکھا تھا۔ شاید ان کا خیال چند ہی منٹس میں اپنا آپ بدل ڈالنے کا تھا۔

"او خدایا' آج میں کہاں پھنس گیا ہوں۔" کتاب کو سامنے ٹیبل پر اچھالتے ہوئے علی نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔ جبکہ ضمیر بھائی اس کی اس حالت سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"نن نن نہ کیا کرو نا اتنے فیشن۔" موضوع کے بالکل برعکس جملے پر علی نے حیرت سے سر اٹھایا۔

"کس نے کہا تھا اتنی ٹائٹ شش شرٹ پہننے کا' نہ اتنی ٹائٹ شرٹ پہنتے نہ اس میں پھنستے۔"

"آپی' آپ تو اس تصویر کی جان چھوڑیں' کب سے یہ لوگ مجھے باتیں سنا رہے ہیں۔"

"تو کیا خیال ہے تمہیں میڈونا کے گانے سنائیں؟" خالہ نے اب اس نادیدہ کھیرے کے بیج ہاتھ میں لے کر کھجانے کے انداز میں بالوں میں کہیں گم کیے تو علی چینا کی اس بے توجہی پر زچ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"میں تو صرف یہ بتانے کمرے سے نکلا تھا کہ اوپر والے پورشن میں کرائے دار آگئے ہیں۔"

"کیا۔۔۔؟" چینا بڑی حیرت سے تصویر سمیت ایڑیوں کے بل پیڈسٹل فین بن کر گھومی۔

"یہی بب بب بات تو خود میں اتنی دیر سے بتانا چاہتا تھا لیکن تت تت تم یہ تصویر چھوڑو تب نا۔" ضمیر بھائی ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ بھی اس انکشاف سے واقف تھے۔ چینا نے ان تینوں کو فرداً" فرداً" دیکھا پھر ایک نظر ہاتھ میں پکڑی تصویر کو دیکھا اور بولی۔

"تم تینوں یہی چاہتے ہو نا کہ میں یہ تصویر چھوڑ دوں؟" تینوں نے ہی فوراً" اثبات میں سر ہلایا تو چینا نے ہاتھ میں پکڑی تصویر کو لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر چھوڑا تو وہ نیچے گرتے ہی ٹوٹ گئی اور تینوں کے منہ کھلے کے کھلے چھوڑ گئی۔

"عقل میں تو یہ خود کفیل ہے خیر سے۔" خالہ کی بڑبڑاہٹ چینا کے علاوہ باقی دونوں نے سنی "دیکھا' چینا نے تصویر چھوڑی تو ٹوٹ گئی نا۔" چینا کا منہ لٹک گیا تھا۔

"کاش یہ شش شش شادی نہ ہوئی ہوتی تو کتنا سکون ہوتا۔" ضمیر بھائی نے بھی خالہ کی طرح بڑبڑانا چاہا مگر ناکام رہے اور آواز چینا کے کانوں سے جو ٹکرائی تو اسے ایک دم غصہ میں آتا دیکھ کر ضمیر بھائی گھبرا گئے۔

"ارے نہیں نہیں ہماری نہیں۔۔۔ تمہارے ابا کی۔"

"سو سوئیٹ ضمیر۔۔۔ کاش میں سب کے سامنے تمہیں "ڈارلنگ آئی لو یو" کہہ سکتی۔" ضمیر بھائی پر واری صدقے جاتی چینا اس وقت جھوم ہی تو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

چینا' اوپر والے پورشن میں آنے والے نئے ہمسایوں سے ملنے کے لیے تیار ہو کر خالہ کے کمرے میں پہنچی تو وہ میوزک کی فاسٹ بیٹ پر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تیاری میں مصروف تھیں' دو تین مرتبہ تو چینا نے آواز دی لیکن ایک تو ویسے بھی خالہ کی سماعت سرکاری تھی اس پر اب ساتھ میوزک بھی آن تھا سو ان کی طرف سے کسی بھی قسم کی توجہ نہ دینے پر

اسے آگے بڑھ کر میوزک بند کرنا پڑا تھا۔

"خالہ مہنگائی ہے یا آپ کی تیاری۔۔۔ ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔"

"ارے تم؟" خالہ نے یقیناً اسے اب دیکھا تھا سو حیران ہوئیں۔

"چینا کہہ رہی ہے اب چلو بھی نا" اکتاہٹ بھرے لہجے میں اس نے کہا تو خالہ کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

"بس چینا میں دو منٹ میں کمپلیٹ ہو جاؤں گی۔ لو ضمیر بھی آگیا۔۔۔ تم دونوں دس پندرہ منٹ باتیں کرلو۔"

"شش شش شادی نہیں ہو رہی کسی کی خالہ آپ۔۔۔" ضمیر بھائی نے خالہ کی ہوشربا تیاریوں کو دیکھا تو بولے بغیر نہ رہ سکے۔

"خبردار جو مجھے آپ آپ کہہ کر دوسروں کے سامنے گریٹ (Great) ثابت کرنے کی کوشش کی۔" عمر کا معاملہ تو گویا ان کی دکھتی رگ تھا جسے چھیڑنا وہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ "اور شادی ہو نہیں رہی تو کیا ہوا۔۔۔ ہو تو سکتی ہے نا" شرماتے ہوئے انہوں نے آئی پنسل دانتوں میں دبائی۔

"کیا ان کے گھر یا جماعت جانا ہے؟" مکمل تیاری کے ساتھ علی اندر آیا تو اس کے پرفیوم کی خوشبو جلسے میں سیکورٹی اہلکاروں کی طرح پورے کمرے میں پھیل گئی۔

"تو اور کیا علی، تاکہ انہیں پتا چلے کہ ہم میں کتنا اتفاق ہے۔" فخریہ انداز چینا کے لہجے سے ظاہر تھا۔

"بب بب بالکل اتحادی جماعتوں کی طرح اوپر اوپر سے، اندر سے تو۔۔۔" علی کو دیکھتے ہوئے ضمیر بھائی نے جملہ ادھورا چھوڑا جسے علی نے بھی جواب دینے کے قابل نہ سمجھا اور خالہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"خالہ اتنا میک اپ؟" علی نے آنکھیں پوری طرح کھول کر خالہ کو اس ناقابل یقین حالت میں دیکھا سر پر دھوپ کا چشمہ، ایک کندھے کے اوپر اور دوسرے کندھے کے نیچے سے گزار کر ٹین ایجرز کی طرح ڈالا گیا ننھا سا پرس اور پشتو فلموں کی ہیروئن کے میک اپ کو ٹکر دیتا تیز ترین میک اپ۔۔۔ اپنے تئیں تو وہ تیار کھڑی تھیں۔

"پتا بھی ہے، تیز میک اپ سے لڑکیاں اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑی معلوم ہوتی ہیں۔"

"سچی مچی؟" خالہ کو اپنا بلڈ پریشر لو ہوتا محسوس ہوا۔

"تو اور کیا۔۔۔"

"چینا، تمہارے جانے کی باتیں یہ لڑکا بتا رہا ہے مجھے۔۔۔ او یو جیلس" قریب تھا کہ وہ رونے لگتیں۔

"ارے نہیں نہیں خالہ، تم تو ایک دم پیاری لگ رہی ہو آج" چینا نے اپنا دفاع کیا۔

"کنواری لگ رہی ہوں آج؟ یعنی پہلے میں تمہیں شادی شدہ لگتی تھی؟"

"خالہ، پپ پپ پلیز، یہ باتیں بعد میں کرلیں گے، ابھی ایسے ہی آنج جائیں۔" ضمیر بھائی کی اس قدر بے تابی اور جلد بازی کو نوٹ کرتے ہوئے چینا نے بڑے غور سے ضمیر بھائی کو دیکھا۔

"مم مم میرا مطلب تھا کہ کتنی دیر ہوگئی ہے۔"

"ہاں تم بھی اب چینا ہی بتائے گی کیا۔۔۔ خود دیکھو لو کتنی دیر ہوئی ہے۔" چینا اور ضمیر بھائی کا موڈ بگڑتے دیکھ کر خالہ نے فوراً درمیان میں بولنا مناسب خیال کیا۔

"اچھا ایسا کرو تم لوگ آؤٹ ہو جاؤ، میں ذرا اپنا ماؤتھ واش کرکے آجاتی ہوں۔" خالہ نے واش روم جاتے ہوئے انہیں اجازت دی تو سب نے سکون کا سانس لیا اور فوراً دروازے کی طرف لپکے۔

☼ ☼ ☼

اکثر اوقات لوگوں کے کنجوس ہونے نہ ہونے کے بارے میں سنا تو ضرور گیا تھا مگر جس طرز کے کنجوس آج اپنی آنکھوں سے دیکھے گئے تھے یہ تجربہ یقیناً ان تینوں کے لیے زیرو میٹر تھا اور وہ سب یہ سوچنے پر بھی بری طرح مجبور ہوگئے تھے کہ آخر ایسا کون سا لفظ ہو جو ایسی کنجوسی کو بہتر طور پر بیان کرسکے۔ کنجوس، مہا کنجوس،

بخیل جیسے اور دوسرے کئی الفاظ بھی ابا کی کنجوسی کے آگے ہاتھ باندھے نظر آئے تو اردو ڈکشنری میں مزید ایک لفظ کا اضافہ ترک کر دیا گیا۔ اور ایک بار پھر لاؤنج میں موجود ہر چیز کو بے حد حیرت سے یوں دیکھنے لگے جیسے آج ہی آنکھ کھلی ہو۔

صوفوں سے لے کر ڈیکوریشن پیسز تک ہر چیز پر پلاسٹک چڑھایا گیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ کارپیٹ کو بھی محفوظ رکھنے کے لیے اس پر ہلکا سا پلاسٹک ڈالے جانے کا انکشاف تب ہوا جب چینا کی ہیل سے کڑک کڑک کی آوازیں آنے لگیں۔ اسی دوران سامنے سے ابا اور چندا آتے دکھائی دیے تو علی نے درمیان میں کھڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں کو کہنیاں مار کر متوجہ کیا۔

"اپنے اپنے پھاٹک بند کریں سامنے سے ٹرین آرہی ہے؟" اور تب چینا اور ضمیر نے یوں ایک جھٹکے سے اپنا منہ بند کیا کہ ان کی اوپر نیچے کی داڑھوں کے ٹکرانے کی بھی آواز سنی گئی۔

"آؤ جی آؤ' میں ابھی تم سب کو ہی یاد کر رہا تھا؟" تہبند سنبھال کر بیٹھتے ہوئے ابا نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو علی اتنی اہمیت پا کے بے حد خوش ہوا۔

"ہمیں یاد کر رہے تھے لیکن کیوں؟"

"او کاکے' اس لیے کہ کدرے تم لوگ ہمارے گھر آہی نہ جاؤ...." ابا کے اس انتہائی براہ راست بے عزتی والے جواب پر تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور آخر کار چینا بولی۔

"یعنی چینا ان دونوں کو لے کر واپس چلی جائے؟"

"نہیں نہیں' یہ بھلا کہا کس پاگل نے؟" چندا نے مصالحتی کردار ادا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تت تت تمہارے ابا نے کہا ہے اور کس نے؟" ضمیر بھائی نے نرسری کے بچے بن کر شکایت لگائی۔

"بس تو پھر ثابت ہوا......"

"وہ سب جو ٹوٹا ہوا تھا۔" علی کے پاؤں پر پاؤں مارتے ہوئے چینا نے جملہ مکمل کیا۔

"چلو خیر اب آہی گئے ہو تو ٹھیک ہے.... ذرا تعارف تو کرواؤ۔"

"میں چینا ہوں۔" ابا کی طرف سے تعارف کروانے کا کہا گیا تو سب سے پہلے چینا نے اپنے بارے میں بتایا۔

"اچھا اچھا' یعنی تم بھی ہے ناں کی ہو؟" ابا نے اس کے نام اور نقوش کو متضاد دیکھ کر پوچھا۔

"میں چی ناں ہوں.... چینا۔" چینا نے لفظوں کو الگ الگ کیا۔

"یہ میری مم مم مسز ہے چچ چچ چینا۔" شاید ابھی وہ مزید بھی کچھ کہتے کہ چندا نے اٹھ کر ٹشو پیپر ان کی طرف بڑھایا تو ضمیر بھائی سمیت باقی سب بھی نا سمجھی سے اس کے عمل کو دیکھنے لگے۔ "وہ دراصل' بات کرتے ہوئے نکل رہا تھا آپ کے منہ سے تھوک" چندا کی بات پر ضمیر بھائی تو شرمندہ ہوئے ہی مگر علی نے بات کرنے کا موقع ہرگز نہ گنوایا اور ہاتھ سے ہی اپنا منہ پونچھتے ہوئے بولا۔

"میں بھی سوچ رہا تھا کہ بغیر بارش کے یا تو آپ کی چھت ٹپک رہی ہے اور یا باہر سے پھوار آرہی ہے۔"

"یہ ضمیر ہیں' چینا کے خاوند اعلا۔" علی کو آنکھیں دکھاتے ہوئے چینا نے اس کا تعارف کروایا تو ابا نے ضمیر بھائی کو یوں غور سے دیکھا جسے لوگ قربانی کے جانور کو دیکھا کرتے ہیں۔

"ویسے آپس کی بات ہے پتری' ڈر تو نہیں لگتا بلیڈ سے؟"

"بلیڈ سے؟" ضمیر بھائی کے بولنے کی کوشش کرنے کے دوران ہی چینا نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ اگر شیو کرتے ہوئے تو بلیڈ کے انچ ڈیڑھ نزدیک ہو جاتا نا تے آج ہمیں تیرا یہ منہ نہ دیکھنا پڑتا۔"

"ابا.... یہ آپ کر رہے ہیں کیسی باتیں؟" ابا کے یوں دو ٹوک اعتراض پر چندا شرمندہ ہوئی تھی "مم مم میں نے کہا تھا نا تمہیں کہ مجھے شش شش شیشہ لا دو جس میں میرا منہ نظر آجائے لیکن تم...." ضمیر بھائی کا وہاں سے غائب ہو جانے کا دل چاہا تھا۔

"دیکھیں پلیز آپ کریں حوصلہ۔" چندا کی کوشش

تھی کہ ابا کی کی گئی بات کا اثر زائل کیا جا سکے۔ "ایسے کیسے حوصلہ کریں، کوئی کولڈ ڈرنک وغیرہ تو پلائیں نا انہیں۔" علی نے قیمتی مشورہ دیا۔

"ہاں کیوں نہیں، میں لاتی ہوں ابھی۔" اور اس سے پہلے کہ وہ جاتی ابا نے روک لیا۔ "پتری سادہ پانی ہی لائیں۔"

"لیکن ابا... آئے ہیں ہمارے گھر میں یہ مہمان بن کر۔" چندا کو اس لمحے اپنا اور ان کا باپ بیٹی ہونا یاد آیا تو سوائے ان کی اس کنجوسی کی عادت پر افسوس کے اور کچھ نہ کر سکی۔

"اچھا..." ابا نے برا سامنہ بنا کر ان تینوں کو دیکھا جن کے چہروں پر کراچی کی بسوں میں بیٹھے مسافروں جیسی ہونق طاری تھی۔

"چل فیر ادی چچی گلوکوز کی ڈال لئیں... اور سن زیادہ نہ ڈالیں ایویں کہیں شوگر نہ ہو جائے شودوں کو۔" چندا نے مثل ایئر ہوسٹس فرمانبرداری کے سرہلایا اور کچن کی طرف منہ موڑ گئی تو ابا ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیوں جی... میں نے ٹھیک کہا نا؟"

تینوں ہی مجبور تھے آخر کیا کہتے، ایک دوسرے کو بے چارگی سے دیکھتے ہوئے گردن ہلادی۔

"ہاں جی بالکل ٹھیک کہا۔" علی اور چینا نے تو جملہ پورا کر لیا جبکہ ضمیر بھائی ہاں جی کہنے کے بعد بب بب بب تک ہی پہنچے تھے کہ ابا نے ٹوک دیا۔

"اویار تو کیوں بیٹھا بیٹھا چپیں لگا تا رہتا ہے، رَسٹ دے زبان کو۔"

ضمیر بھائی نے شرمندگی سے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹشو کو استعمال کرتے ہوئے منہ صاف کیا۔

ٹشو پیپر کو سکھالیں... فیروی کم آجائے گا۔"

چینا نے بڑی بے چینی سے ان کی بات سنتے ہوئے چندا کو دیکھا جو ٹرے میں پانی کے گلاس لا کر اب ان تینوں کو دے رہی تھی۔ بدمزا تو ابا کی باتوں سے ہی ہو چکے تھے اور اس پر سادہ پانی دیکھ کر ہی حلق تک میں لونگ پھنسے ہوئے محسوس ہوئے۔

"آپ ضمیر بھائی سے ذرا چھوٹی یا تھوڑی بڑی لگتی ہیں۔ کیا ان کی ہے آپ سے دوسری شادی" چندا نے دھیان پانی سے ہٹانے کے لیے بات چھیڑی تو جواباً چینا کے بجائے ضمیر بھائی بولے۔

"دوسری شادی؟ اجی مم مم میری ایسی قسمت کہاں؟" لفظ لفظ سے بے چارگی ٹپک رہی تھی۔ چینا نے حیرت جبکہ علی نے بڑے مزے سے ضمیر بھائی کو دیکھا۔

"لے وائی کا کے... میں تو دوسری شادی کر چکا ہوں۔" ابا نے فاتحانہ انداز میں اعلان کیا۔

"اوہ یعنی چندا آپ کی دوسری بیوی کی اولاد ہے۔" علی نے پانی کے گلاس کو بغیر چکھے ہی واپس ٹرے میں رکھا۔ جسے ابا نے ناپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے خود اٹھالیا۔

"دوسری بیوی؟ او، پر میری تے اکو اک ہی بیوی تھی۔"

"بیوی ایک ہوگی، لیکن شادیاں تو دو کی تھیں نا۔" چینا نے بھی گلاس عین ابا کے سامنے رکھ چھوڑا۔

"او ہو، نہیں کیں میرے ابا نے دو شادیاں۔" چندا نے مدد طلب نظروں سے ابا کو دیکھا جن سے ایک گلاس پانی پورا نہیں پیا گیا تھا اور سامنے ایک گلاس اور موجود تھا۔ "او تم لوگ میرے اوپر الزام لگاتے ہو؟"

"نہیں تو کیا آپ کے اوپر اسٹیکر لگائیں؟" ان کی خاطر مدارات کے طور پر پیش کیا گیا گلوکوز ملا پانی علی کو رنجیدہ اور سنجیدہ کر گیا تھا۔

"ابھی آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ دوسری شادی کر چکے ہیں۔" چینا کا ذہن افریقی حسیناؤں کے بالوں کی طرح الجھ کر رہ گیا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ایک گلاس پانی ابا کے سر پر بھی ڈالا جائے تاکہ ان کی بھولی بھٹکی یادداشت لوٹ جائے۔

"آہو، وہ تو میں کر چکا ہوں... فیر..."

"بیوی ایک ہی تھی ابا کی۔" چندا نے ابا کی بات کاٹی تو ضمیر بھائی نے اپنا گلاس بھی پانی سے بھرا ہونے کی وجہ سے آہستگی سے اٹھا کر ابا کے عین سامنے سابقہ دونوں

گلاسوں کی قطار میں رکھ دیا۔

"یعنی آپ نے ایک ہی بب بب بیوی سے دو مرتبہ شادی کی تھی۔"

"تو بے شرما' دراصل دوسری شادی کے لیے اجازت لینی پڑتی ہے نا تو میں نے دوجی شادی ہی پہلے کرلی تھی۔۔۔ اب جب دل کیا' پہلی وی کرلوں گا۔" ابا کی تفصیلی وضاحت نے ضمیر بھائی کو سر پکڑنے پر مجبور کردیا تھا۔

"لگتا ہے ضمیر بھائی نے کرلی ہے پہلی شادی پہلے ہی۔" چندا نے مسکراہٹ چھپائی۔

"ویسے بات تو بالکل سچ ہے کہ نیا جوتا اور پرانی بیوی ہمیشہ کٹ کٹ کاٹتے ہیں۔"

"اسی لیے تو میں ہمیشہ پرانے جوتے اور نئی بیوی کی تلاش میں رہتا ہوں۔" ضمیر بھائی ابا کے خیالات سے خطرناک حد تک متاثر نظر آرہے تھے اور چاہتے تھے کہ ابا کے تجربات سے مزید فائدہ اٹھایا جائے کہ باہر ہوتے کھٹ پٹ نے سب کو ادھر متوجہ کردیا۔

"میں دیکھتی ہوں۔"

"نہیں پتری تو بیٹھ میں دیکھ کے آتا ہوں کہ یہ کون ہے؟" ابا نے چندا کو ان سب کے پاس بیٹھنے کا کہہ کر اس بیرونی ہاتھ کو بے نقاب کرنا چاہا جو ان کے سکون میں خلل ڈال رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

خالہ اس وقت تیز پرفیوم اور نسبتاً" ہلکے میک اپ کے ساتھ چندا کے کوریڈور میں موجود تھیں البتہ پرس ابھی ٹین ایجر والا تھا اور سر پر رکھا چشمہ بھی۔ پانچ چھ انچ کی ہیل والا جوتا وہ بہت ہی خاص مواقع پر نکال کر پہنا کرتی تھیں۔ اور ان کے خیال میں آج وہی خاص موقعہ تھا جو ان کی زندگی میں شاید کسی نئے خاص موقع کی وجہ بن سکے۔ لیکن شاید ابھی عشق کے امتحان' وائیوا سمیت اور بھی تھے جبھی تو اس سے پہلے کہ وہ کوریڈور کراس کرکے ان کے کمرے تک پہنچیں لمبی ہیل کی وجہ سے اچانک ہی پاؤں مڑ گیا اور گرنے سے بچنے کے لیے دیوار کا سہارا لینے کی کوشش میں پہلے تو ایک آرٹیفیشل پلانٹ گرایا اور پھر ایک دم دوسرے ہاتھ سے دیوار کو تھام لیا اسی دوران ابا اپنے سفید کرتے کے بٹن بند کرتے جیسے ہی کوریڈور میں آئے تو گویا پہلی نظر میں خالہ پر پڑنے کے بعد وہ خیال کی دنیا میں خود کو رانجھا سمجھ کر بانسری بجاتے اور خالہ کو ہیر کے روپ میں کھانا لاتے دیکھ کر کسی رومینٹک گانے کی دھن میں مگن بے خودی میں خالہ کا ہاتھ پکڑ کر جو کھڑے ہوئے تو خالہ نے بھی انہیں "ڈسٹرب" کرنا مناسب نہ خیال کرتے ہوئے ایک چھوڑ دونوں ہاتھ Take one get one free کے طور پر پیش کردیے خیالات کا تسلسل ٹوٹا تو تب جب اچانک ہی خالہ کا دوسرا پاؤں بھی مڑ گیا اور بے اختیار ان کے منہ سے بڑھاپے کی چھینک جیسی چیخ برآمد ہوئی۔

"اوہ مائی فٹ۔"

"او جی کی ہوگیا اے سوہنیو؟" ابا کی ادائے دلبرانہ قابل دید تھی۔ سو خالہ نے بھی نخرہ دکھایا۔

"میرا پاؤں یوراٹرن ہوگیا ہے۔"

"فکر نہ کرو جی' میں آگے کھڑا ہو جاؤں نا تو گڈیاں نئیں مڑتیں۔۔۔ یہ تو خیر ایک پیر ہے۔"

"اوہ اچھا یعنی تم ٹیریفک میں کانچ ٹیبل ہو؟" خالہ نے تصدیق کرنا چاہی۔

خالہ نے دو چار انگریزی کے صحیح غلط الفاظ بول کر ابا پر رعب ڈال دیا تھا اور وہ بے چارے بھولے بادشاہ انہیں اچھا خاصا پڑھا لکھا سمجھنے لگے تھے۔ جب ہی ان کی قابلیت کے بوجھ تلے دبتے ہوئے خود کو بھی کوئی کم ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے۔

"کانچ کا ٹیبل نئیں جی۔۔۔ ذرا ہاتھ لگا کر تو دیکھو' کیسا ویجی ٹیبل ہوں میں۔۔۔ آہو!" بڑے فخریہ انداز میں ابا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جسے پہلے تو خالہ نے لنگر کی نیاز سمجھ کر فوراً" پکڑ لیا پھر اچانک کچھ خیال آنے پر بڑی ادا سے شرماتے ہوئے پہلے سے تھاما گیا ہاتھ بھی چھوڑ دیا

اور دونوں ہاتھوں کو باندھ کر سر جھکا لیا جس سے سر پر رکھا دھوپ کا چشمہ ابا کے قدموں پر آگرا اور یہی وہ لمحہ تھا جب ابا کو لگا جیسے خالہ ان کے دل کی ویگن میں کنڈیکٹر کی طرح اپنا حق جان کر بغیر کرایہ دیے براجمان ہوگئی ہیں۔

"ہائے اوئے۔۔۔" ابا نے عینک اٹھا کر پھول کی طرح پیش کی۔

"او میں کہتا ہوں، کتنی بولی (بھولی) تے مسوم ہو جی تسی۔۔۔ پر اب دنیا بدل گئی ہے تے فیر اب تسی وی چالاک ہو جاؤ۔"

حسب توفیق رومانٹک انداز اپنا کر کی گئی سرگوشی کا جواب ابا کے خیال میں جو تھا سو تھا، لیکن اکثر اوقات خیال غلط بھی تو ہو جاتے ہیں۔ ابا کے بات ختم کرتے ہی خالہ کو تو ایک دم کرنٹ سا لگ گیا تھا۔ چند لمحوں پہلے نظر آنے والی ادائیں، شرماہٹ اور ناز نخرے کہیں غائب ہو گئے تھے۔ ابا کا خیال تھا کہ شاید خالہ کی شرافت طبع کو یہ پیار کا پہلا پہلا اظہار معیوب لگا ہے۔ سو جلدی سے بیان بدلا۔

"او جی دیکھو، میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کے سامنے پیار کا اظہار کیا ہے۔ اگر کش اونچ نیچ ہو گئی ہو تو چھوٹا بھائی سمجھ کر معاف کر دینا۔" لاؤنج سے اٹھتے قدموں کی آواز ابا کو بری طرح بوکھلائے دے رہی تھی۔

"اوئے ہیٹی ڈمہٹی۔۔۔ تمہاری یہ جرات۔" خالہ کا غصہ سونے کا بھاؤ بنا چڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"بھول چوک معاف کر دیو جی، صرف چالاک ہونے کا ہی کہا تھا۔"

"ہلاک ہو جاؤ تم یا ہوں تمہارے ہوتے سوتے۔" خالہ نے سرخ چہرے کے ساتھ انتہائی غم و غصے میں بات شروع کی تھی اور خالہ کی چیخ و پکار نے چینا، علی، ضمیر بھائی اور چندا کے بڑھتے قدموں میں بھی تیزی پیدا کر دی تھی۔

اس اچانک پڑنے والی افتاد پر چینا سمیت سب ہی سر پر پاؤں رکھ کر اس مقام کی طرف بھاگے تھے جہاں سے خالہ کی موٹر گاڑی کی اچانک بریک جیسی پکار انہیں سنائی دی تھی۔ وہاں کا منظر دیکھا تو نا سمجھی سے منہ ایسا کھلا کہ لگا شاید اب بند کرنا محال ہو۔ خالہ بھی اپنے حمایتی سامنے دیکھ کر شاید یہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ کسی جلسے میں کھڑی ہیں سو نہایت غصے میں کنپٹی کی رگیں پھلاتے ہوئے چیخیں۔

"ضمیر۔۔۔ کچھ سنا تم نے؟"

"خالہ۔۔۔ آہستہ بولیں، یوں لگ رہا ہے کسی پنجابی فلم کی ڈبنگ کروا رہی ہیں اور مم میں کوئی بہرہ تھوڑی ہوں۔"

"بس ذرا سا موسمی ہکلا ہوں۔" علی نے ضمیر بھائی کی بات کو سنسر شدہ ٹیپ سمجھ کر کاٹنا ضروری خیال کیا تو ابا کو بھی موقع مل گیا۔

"اس کی زبان کو کوئی تیل شیل دے کر لاتا تھا نا، رواں تو ہوتی۔" علی پر قہر بھری نظر ڈالنے کے بعد ضمیر بھائی ابھی مکمل طور پر سنبھل بھی نہیں پائے تھے کہ ابا نے ایک پٹرولی بیان جاری کر دیا۔ ادھر خالہ اپنے ہلاک کیے جانے کی دھمکیوں کے زیر اثر خود پر سرسوں کا رنگ جمانے کی تحریک چلائے ہوئے تھیں۔ سو اس خیال سے کہ کہیں توجہ ان کے نازک ترین مسئلے سے ہٹ کر ادھر ادھر نہ ہو جائے، دہائی دے ڈالی۔

"لو یہ تو مجھے بھی ہلاک ہونے کا کہہ رہے تھے۔"

"ارے واہ، میں تو آپ کو بس سبزی کے ساتھ آئے دھنیے کی طرح سمجھتا تھا، لیکن آپ تو کیا قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔۔۔ بھئی واہ۔" بجائے اس کے کہ علی خالہ سے اظہار ہمدردی کرتا وہ تو ابا کے ساتھ اپوزیشن بینچوں پر جا بیٹھا تھا اور علی کے اسی سراہتے انداز و بیان نے ابا کو مزید حوصلہ بخشا۔

"او نئیں جی۔۔۔ میں قیامت کی نظر نہیں رکھتا۔۔۔

میں تو قیامت پر نظر رکھتا ہوں۔" مخاطب یقیناً" خالہ ہی تھیں۔

"شور میں قیامت کی طرح ٹوٹ پڑتا ہوں۔" ضمیر بھائی ابا کی طرف بڑھنے لگے تو چندا گھبرائی۔

"توبہ۔۔۔ یہ آخر کیا ہو رہا ہے سب؟"

"شوربے میں سے بوٹی ڈھونڈ رہے ہیں، تمہیں بھی چاہیے تو پلیٹ آگے کردو۔" علی نے چڑ کر جواب دیا۔

"ویسے چندا، کاش چینا تمہیں گنوار کہہ سکتی کیوں کہ تمہیں جیسے لوگ ہوتے ہیں جو سوئے ہوئے بندے کو جھنجوڑنے کے بعد پوچھتے ہیں۔" "تم سو تو نہیں رہے۔"

"ارے اسے چھوڑو، ضمیر کو دیکھو۔" خالہ نے توجہ دلاؤ نوٹس جاری کیا تو ضمیر بھائی کی بھی جان میں جان آئی۔

"کیا دیکھیں خالہ، ضمیر چینا تو کہتی ہے جو دل میں آتا ہے کر ڈالو۔۔۔ زیادہ سے زیادہ جیل ہی جاؤ گے نا۔"

چینا کی آواز تھی کہ ٹریفک سارجنٹ کی سیٹی، ابا کی طرف ضمیر بھائی کے بڑھتے قدم سست روی کا شکار ہونے لگے تھے۔ پہلے بڑبڑا کر اور پھر انتہائی زخمی نظروں سے چینا کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں چینا کو اس شعر کے حروف ٹائی ٹیننگ سے نظر آئے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

"تو اور کیا ضمیر۔۔۔ جیل جاؤ گے تو کچھ بن کر ہی نکلو گے نا۔"

"بہت سارا مال اور تھوڑی سی جیل کی ہوا کھانا تو ویسے بھی ہمارا قومی ٹوٹکا ہے۔" خالہ بولیں۔

"ہاں سچ کتنا مزا آئے گا نا جب میں بھی سب کو بتایا کروں گا کہ میرے بہنوئی آج کل جیل گئے ہوئے ہیں۔" چینا، خالہ، علی اپنے تئیں سبھی ضمیر بھائی کو جوش دلا رہے تھے، مگر کون جانتا تھا کہ بظاہر خود کو گوگا پہلوان دکھانے والا اندر سے اس وقت کس قدر خوفزدہ ہے۔

"مم مم میں کہتا ہوں مجھے روک لو، پکڑ لو ورنہ۔۔۔" ضمیر بھائی کی دھمکی آمیز للکار سننے کے بعد بھی کوئی آگے نہ بڑھا تو انہیں اپنا وقتی بھرم رکھنے کے لیے سر کھجانا پڑا۔

"ورنہ؟ اوئے کیا ورنہ؟" ابا خود کو سلطان راہی سمجھتے ہوئے دھاڑے۔

"ورنہ میں نیچے گر جاؤں گا چینا۔۔۔ بہت زور سے چکر آرہے ہیں۔" چینا نے فوراً "مشرقی بیوی کا رول نبھاتے ہوئے آگے بڑھ کر ضمیر بھائی کو سہارا دیا۔

"شکر ہے عین وقت پر چکر آگئے، ورنہ تو ضد میں آکر ضمیر پتا نہیں کیا کر جاتا۔"

"آپ کو نہیں پتا، لیکن ہمیں تو لگ گیا ہے سب پتا۔"

"کیا۔۔۔" ضمیر، چینا اور علی بیک وقت بولے تھے۔

"کیا پتا چل گیا ہے؟"

"یہی کہ آپ ہیں واقعی خاوند اعلا۔"

"دیکھا' ہو گئی نا تیری پچھان۔" (پہچان) ابا کا جوش قابل دید تھا، لیکن چینا کو ضمیر بھائی کی انسلٹ میں اپنی انسلٹ ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

"کاش چینا تمہیں منہ پھٹ سکتی۔" چینا کے غیر متوقع رد عمل پر چندا کا منہ بن گیا تھا۔

"تو اور کیا، تم لڑکی ہو تو لڑکی ہی بن کر رہو۔ زیادہ میڈیا بننے کی کوشش نہ کرو۔" علی نے بھی کھانے کے ساتھ پانی کا کردار نبھانا ضروری خیال کیا۔

"شٹ اپ علی، نہیں ہے یہ کسی میوزک چینل کا لائیو شو۔۔۔ کہ جو تمہاری مرضی ہو گی۔ کہتے رہو گے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے، چینا کا بھائی تمہیں فرشی سلام کرے؟" حکومت کی طرح اصل مسائل سے ہٹ کر سب اپنے اپنے مسائل کا راگ الاپ رہے تھے۔

"چینا آپی کا بھائی ہونے کی وجہ سے پاگل نہ سمجھنا۔۔۔ میں بڑا تیز ہوں۔" علی کو یقیناً "گمان گزرا تھا کہ کہیں رشتے داری کی بنیاد پر اس کی ذہنی حالت پر شبہ نہ کیا جانے لگے جب ہی وضاحت لازمی خیال کی۔

"ویری... ؟ کیوں اوئے' تو نے دو سو میٹر کی ریس جیتی ہے؟" علی کی وضاحت بے کار گئی تھی۔

"علی، تمہیں چینا کا بھائی بنتے ہوئے شرم آتی ہے؟" چینا روہانسی ہی ہو گئی تھی۔ جب ہی خود بخود آواز میں اداکارہ شبنم کی کمی کھلتی محسوس ہوئی۔

"حالانکہ شرم تو چینا تمہیں آنی چاہیے اسے نانی بناتے ہوئے۔"

"اوہو خالہ خدا کا واسطہ ہے کبھی تو آپ بھی کان کھول کر بات سنا کریں۔" ضمیر بھائی نے لو بلڈ پریشر کے مریض کی طرح التجا کی جو خالہ کے سر سے جہاز کی طرح بغیر محسوس کیے گزر گئی۔

"حد ہو گئی ہے ضمیر... ڈاکٹری کی دکان تمہاری ہے' میں کیوں تمہاری دکان کھول کر بات سنوں۔"

"اف... کیسے گزارا کرتے ہیں آپ ان کے ساتھ؟" چندا نے سوال اس قدر سنجیدگی سے پوچھا تھا جیسے تحقیقی مقالہ اسی سوال کے گرد گھومتا ہو۔ سو آگے سے جواب بھی پروفیسر بننے سے بال بال بچ جانے والے ضمیر بھائی کی طرف سے ایسا ہی آیا۔

"ایسے ہی گزارا کرتے ہیں جیسے عوام حکومت کے ساتھ اور آپ اپنے ابا کے ساتھ کرتی ہیں...

"مجبورا!" عوام اور حکومت تو ٹھیک تھا' لیکن اپنی ذات پر ایسا تبصرہ سن کر ابا کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ بھی ہمارے حاضر سروس سیاست دانوں کی طرح انہیں سر عام غلیظ گالیوں سے نواز ڈالیں اور اگر ایسا نہ کریں تو کم از کم ایک تھپڑ تو لگا ہی دیں تاکہ بدنام ہو کر ہی سہی کچھ نام تو کمائیں' لیکن پھر سوچا وہ سب تو بڑے سیاست دان ہیں اور ان میں سے اکثر تو ایسے لوگ بھی مخالفین پر ہتک عزت کا دعوا دائر کر دیتے ہیں جن کی عزت خود ان کی بیوی کی نظر میں روزانہ کے اخبار سے بڑھ کر نہیں ہوتی کہ گھر آگیا تو ٹھیک نہ آیا تو بھی پروا نہیں...

"اوئے ڈاکٹرا... پنگا نہ لئیں' دو ہزار کمانے والا دو مریضوں کے مالک سے لڑائیاں لیتا ہے ہونہہ۔" لڑائی مار کٹائی کر کے "گلو بٹ" بننے کی بجائے ابا نے محض للکار کر "سکندر" بننے کو ترجیح دی۔

"صرف دو..." چینا کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

"چینا کے کچن میں چھ قسم کے مربے رکھے ہیں... لیکن کبھی غرور نہیں کیا۔"

"کر نا دی نا... لوکی (لوگ) پتھر ماریں گے۔" اپنی زمین جائیداد کی بے حرمتی پر ابا کی آنکھوں میں مارننگ شوز کے اینکرز کے نقلی آنسو اتر آئے تھے۔

"آپ نے ہمیں طعنہ دیا؟"

"نہیں تو کیا کھانا دوں؟" علی کے سوال پر ابا کا فوری جواب 1122 کی سروس کو مات دے گیا تھا۔

"خالہ... بہت ہو گیا' اب چلیں واپس اپنے پورشن میں... ارے ایسے پڑوسی تو خدا پڑوسی ملک کو بھی نہ دے۔" گردن جھٹک کر اپنے تئیں نفرت کا اظہار کرتے ضمیر بھائی' علی اور چینا اپنے پورشن کو جانے والی سیڑھیاں اترنے لگے تو ابا موقع غنیمت جان کر سرگوشیانہ انداز میں خالہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میں نے کہا سوہنیو' میرے پہلے پہلے پیار کا پہلا پہلا اظہار تھا... کوئی کمی بیشی رہ گئی تھی تے چھوٹا بھائی سمجھ کے معافی دے دینا تھی..."

"ابا..." چینا نے عین موقع پر آکر کیدو کا کردار نبھاتے ہوئے غصے میں ابا کا بازو پکڑا اور لاؤنج سے بیڈ روم کی طرف لے گئی جبکہ خالہ وہیں پر حیران پریشان کھڑی "بھائی" سے کہیں زیادہ لفظ "چھوٹا" میں الجھی ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

یہ سچ ہی تو ہے کہ ہمیشہ وہ نہیں ہوتا جو انسان چاہتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ابا اور چندا جیسے لوگ ان کے ہمسایوں کے روپ میں ان کے سروں پر چنے بھننے کے لیے موجود نہ ہوتے اور "تکرار ہاؤس" کی یہ فیملی جن سے بہت سے لوگ بات کرنے کے بعد بوکھلا اور گھبرا جاتے تھے آج وہ خود اس کیفیت کا شکار تھے جو سوچ رہے تھے کہ اوروں کے دل پر حقیقتاً "یہی بیتی ہو گی جو آج ان کے دلوں پر گزر رہی ہے اور تب انہیں اپنے

ان تمام ملنے والوں پر لوٹ پھوٹ کر پیار بھی آیا جو اس کیفیت کے باوجود ان سے ملتے رہتے ہیں۔ اس نئے نویلے واقعے کے زیر اثر خالہ، ضمیر بھائی اور چینا بڑی ہی سنجیدگی سے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے جب علی اندر داخل ہوا۔

"آپ سب کا منہ پیدائشی نیوز کاسٹرز جیسا ہے یا حالیہ حادثے کے بعد مسکرانا بھولے ہیں؟"

گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتے ہوئے علی نے ان کی ذاتیات پر سوال کیا تو تینوں ہی خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ان کی یہی خاموشی علی سے ہضم نہیں ہو پا رہی تھی جب ہی دوبارہ بات شروع کی تو لہجے میں منت سماجت ریلوے اسٹیشن کے قلیوں کی طرح خود بخود آن حاضر ہوئی۔

"خدا کا واسطہ ہے' اتنے سیریز نہ بنیں آپ لوگ۔۔۔ ورنہ نیوز چینلز والے تجربے کے لیے اٹھا کر لے جائیں گے۔" منت سماجت کا اثر ہوا تو یوں کہ چینا کی زباں بندی ختم ہو گئی۔

"چینا ابھی تمہیں فون کرنا چاہ رہی تھی مگر۔۔۔"

"مگر۔۔۔؟"

"مگر چینا کو تمہارا فون ہی نہیں مل رہا تھا۔"

"کیا مطلب ہے آپی؟ فون تو آپ نے اپنے فون سے کرنا تھا نا۔" جھنجلاہٹ اب علی سے اتنی ہی دور تھی جتنی ہاتھ کنگن سے آرسی۔

"ہاں، لیکن تمہارا فون تو یہ اس لیے ڈھونڈ رہی تھی کہ پتا چلے کہیں تم گھر پر تو نہیں بھول گئے اور اگر تم اپنا فون گھر بھول گئے تو خواہ مخواہ تمہیں فون کرنے میں وقت ضائع نہ ہو۔" خالہ نے تفصیلی وضاحت پیش کی تو ٹائم کو ضائع ہونے سے بچانے کے اس اقدام پر علی کا دل چاہا سر کے بل ہی بھنگڑا ڈالنے لگے۔ سر کے بل ہونے کا واحد مقصد خود کو اذیت دینا ہی تھا کیوں کہ وہ مکمل طور پر

اظہار بھی مشکل ہے' کچھ کہہ بھی نہیں سکتے
مجبور ہیں اف اللہ' چپ رہ بھی نہیں سکتے

کی تفسیر بنا ہوا تھا۔

"مم مم میں نے تو کہا بھی کہ میرے نمبر سے کر لو مگر اسے تمہارا نمبر بھی یاد نہیں تھا۔" سنجیدگی سے ضمیر بھائی نے بتایا۔

"تو مس کال ہی کر دیتے' میں خود آپ کو فون کر لیتا اگر اتنی ہی ایمرجنسی تھی تو۔۔۔"

"کیا بتاؤں علی۔۔۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا آج تو چینا کو۔"

"آپی کوئی نئی بات کریں' بعض ڈائجسٹوں کے مستقل سلسلوں کی طرح ہمیشہ وہی گھسا پٹا مولوا اپنے تک ہی رکھیں۔" علی نے جی بھر کے بور ہونے کے ساتھ جوتے اتارنے کے لیے ایک دوسرے میں۔۔۔ گم تسمے آزاد کیے۔

"دراصل تمہاری آآآآپی کا خیال ہے کہ خواہ مخواہ اوپر گئے۔۔۔"

"نہ اوپر جاتے نہ ڈیپریس ہوتے۔" خالہ نے ضمیر کا جملہ اچکنے میں وہی کردار ادا کیا تھا جو آج کل کچھ نو آموز شعراء فیس بک پر مستند شعراء کے کلام کی "نوک پلک سنوار کر" اپنے نام کے ساتھ وال در وال پوسٹ کر کے ادا کرتے ہیں۔

"او اچھا۔۔۔ تو یعنی آپ سب ڈیپریس ہیں؟" کچھ دیر ان کے چہروں پر برستی نظروں سے دیکھنے کے بعد علی نے جوتے ایک طرف رکھے۔

"ڈیپریس کہنا چاہ رہی ہیں۔" چینا نے ترجمان کا کردار نبھایا۔

"ڈیپریس ہوئے ہیں تو ڈیپرس ہوئے ہیں نا؟" چینا اور ضمیر بھائی نے فوراً ہی گردن سے "الف" لکھ ڈالنے کا فرض ادا کیا۔

"فکر نات آپی اس طعنے کا جواب تو انہیں بہت جلد میں ہی دوں گا۔"

(باقی آئندہ)

ناولٹ

فاخرہ گل

خالے سالے اور پھڈا



ہم کو تو بڑھاپے نے کہیں کا بھی نہ چھوڑا
محرومی جذبات کو بیٹھے ہیں چھپائے
خوش ہوتے ہیں ہم لوگ اگر کوئی حسینہ
اس عمر میں ہم پر کوئی تہمت ہی لگائے

خالہ کے ساتھ ابا کی پہلی ملاقات جس انداز میں شروع اور جس موڑ پر ختم ہوئی تھی وہ ابا کو اب تک سکون سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ منظر جب وہ خالہ کا ہاتھ تھامے ان کی آنکھوں میں اپنے کپڑوں کی سفیدی تک دیکھ پا رہے تھے ذہن کے پردے پر کچھ ایسا نقش ہوا کہ لگتا پردہ ذہن کا نہیں بلکہ سینما اسکرین کا ہے جہاں ریل عین اس وقت کسی تکنیکی خرابی کا شکار ہو کر رک گئی ہو جب ہیرو اپنی ہیروئن کو محبت کے اظہار کے لیے عملی اقدامات میں یوں مصروف تھا کہ فیملی ہال میں موجود خواتین اپنا سر پرس میں ڈال کر نیم تاریکی میں بھی خود کو حاضر سے غائب کے صیغے میں بدل ڈالنے کی حسرت کرنے لگیں۔

لاکھ چاہنے کے باوجود اب ابا کے ہاتھ وہ وقت واپس نہیں آرہا تھا جب انہوں نے خالہ سے اظہار محبت کیا' ان کے خیال میں اس معاملے کو پوشیدہ رومانس کے طور پر برتنا چاہیے تھا' جس میں چھپ چھپ کر آہیں بھرنا' ایک دوسرے کے خیالوں میں آنا' اچانک آمنا سامنا ہو جانے پر دل کی دھڑکن کا رکشے میں بیٹھے مسافر کی طرح ہچکولے کھانا' منظم حکمت عملی کرکے یوں پروپوز کرنا کہ انکار کی گنجائش نہ رہے۔ لیکن آخر دل تو بچہ ہے جی' کیا کرتے لحہ بھر میں چھوہاروں سے اٹلی تک کا جو خیالی سفر شروع کرنا چاہا تو پہلے قدم پر ہی لڑکھڑا کر ایسے گرے کہ انہیں لگا گویا خود اپنی ہی نظروں میں آگرے ہوں اور ان سے بڑھ کر بھلا کون جانتا تھا کہ اپنی کیا تمام دنیا کی نظروں میں گر جانے کے بعد بھی کسی طرح فخر اور مان کے ساتھ سر اٹھا کر چلا جاتا ہے اور وہ یہ بات بھلا کسی سے چھپاتے بھی تو کیوں کہ یہ ہنر انہوں نے کسی غیر سے نہیں بلکہ اپنے ہی ملک کی چند اداکاراؤں سے سیکھا تھا۔

سوانہی کا طرز عمل اپناتے ہوئے ابا نے بھی باہر جانے کا سوچا' ہاں فرق تھا تو اتنا کہ وہ "کامیاب" اداکارائیں ملک سے باہر جاتی ہیں جبکہ ابا نے اپنے کمرے سے باہر جانے کا ارادہ کیا تھا اور ان کی منزل بیرون ملک کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا کمرہ بھی نہیں تھا بلکہ وہ تو چندا کے کمرے تک پہنچے ہی تھے کہ بیڈ پر کشنز اور تکیوں کے جھرمٹ میں لیٹی چندا کو دیکھ کر انہیں اپنے نظام تنفس کا ٹریفک جام ہوتا محسوس ہوا' خود چندا بھی ان کے چہرے پر لکھی درد ناکی پر بوکھلا کر اٹھ بیٹھی تھی کہ آج ابا یوں دروازے پر دستک دیے بغیر ایک دم گداگروں کی طرح اندر کیسے آگئے تھے اور دل کا یہ احساس آخر حروفوں کی شکل میں زبان تک آہی گیا۔

"ابا' آپ کو دیکھ کر مجھے ہو گیا ہے یقین کہ برا وقت کبھی پوچھ کر نہیں آتا۔"

"یعنی تو چاہتی ہے کہ میں کمرے سے نکل نکل جاؤں؟"

"کہاں میری ایسی قسمت کہ جو چاہوں ہو جائے وہی۔"

"ویسے اگر ایک سرہانے سے کام چل سکتا ہے تو کیا ضرورت ہے اتنے سرہانوں کا جلسہ کروانے کی۔" ابا نے بڑی ناگواری سے صرف ایک تکیہ بیڈ پر چھوڑتے ہوئے باقی سب اٹھا کر کپ بورڈ میں رکھے انداز ایسا ہی تھا کہ گویا قومی سرمائے کا نقصان ہو گیا ہو۔

"ویسے ابا... میں سوچتی ہوں کبھی کبھار کہ..." بچ جانے والے اکلوتے تکیے کو گود میں لے کر آلتی پالتی مارتے ہوئے چندا نے بند کپ بورڈ کو دیکھا۔

"خوش کردتا ای پتری... شاباشے کدی کدار ہی سوچا کر' روز سوچنے سے تو بڑا ہی خرچہ ہو جاتا ہے نا۔" ابا نے ڈریسنگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹی اور اس پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"سوچنے سے خرچہ؟"

"لے تے اور کیا... سوچنے سے دماق (دماغ) خرچ ہوتا ہے کہ نئیں؟" چندا نے تائید میں سر ہلایا۔

"دماق خرچ ہوتے پکھ لگتی ہے؟" ایک بار پھر چندا کی طرف سے بات کرنے کے بجائے سابقہ عمل دہرایا گیا۔

"تے فیر پکھ لگے تے کھانے پینے میں بھی خرچہ ہی ہوتا ہے نا۔" ابا کی اس منطق پر چندا کی آنکھیں پھیل کر رمضان میں قیمتوں کی طرح دگنی نظر آنے لگیں۔

"تو کیا آپ اس لیے کرتے ہیں سوچنے سے پرہیز؟"

"کرتا تو تھا پر اب کش سوچنا ہی پڑے گا...!" ابا کی گردن پینڈولم بن کر ہلی۔ "کھانے پینے کے بارے میں؟"

"او نئیں پتری' ان شتو میبڑوں کے بارے میں' جو نیچے رہتے ہیں۔" ابا نے وضاحت کی۔ "دیکھا نئیں تھا کیسے رولا ڈال رہے تھے؟"

"ہاں ابا' کہتے تو ہیں آپ ٹھیک ہی...." ابا اور چندا کے درمیان بہت کم باتوں پر "حقیقتاً" اتفاق ہوتا تھا۔ ورنہ "عموماً" چندا بس اوپری دل سے تائید میں گردن ہلا کر بری الذمہ ہو جایا کرتی۔

"مجھے لگتا ہے ہمارا ان کے ساتھ تیم پاس نئیں ہو سکتا۔" خالہ کے ساتھ معاملہ بگڑنے کا غم ابا نے دل پر لے لیا تھا۔ اور اسی انداز نے چندا کو بھی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

"پھر ہم کریں گے کیا ان کے ساتھ؟"

"وہی کریں گے جو آج تک حکومتیں ہمارے ساتھ کرتی آئی ہیں۔"

"مطلب؟"

"مطبل یہ کہ میں ان کا جینا دو بھر کردوں گا' زندگی تنگ کردوں گا ان پر.... تو بس دیکھی جا۔"

"لیکن ابا اتی جلد بازی نہیں ہے ٹھیک.... کم از کم انہیں دے لینے دیں آپ کے طعنے کا جواب۔"

"ہوں...." چندا کی بات ان کے دل کو فلم میں عین لڑائی کے سین کے دوران آئٹم نمبر بن کر بے حد مزا دے گئی تھی۔ سو ایسی ترنگ میں اٹھے اور کمرے سے باہر نکلتے نکلتے ایک دفعہ پھر مڑے۔

"چل لیٹ جا' میں بتی بجھا کے ہی جاؤں۔"

"نہیں ابا.... مجھے لگتا ہے بہت ڈر اندھیرے سے۔" ابا نے اس کی بات کو گھسا پٹا لطیفہ سمجھ کر نظر انداز کیا اور جیب سے ننھی سے ٹارچ نکال کر اس کی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے آن کر دی۔

"یہ لے اب ڈر نئیں لگے گا۔" چندا کو صدائے احتجاج بلند کرنے کا موقعہ دیے بغیر انہوں نے لائٹ بند کی اور باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند کرنے کے دوران بولے۔

"سوجاں کر.... پر سوتے ہوئے بجھادیں خواہ مخواہ سیل ضائع ہوں گے۔" ☆☆

طرزِ لباس تازہ ہے اک شکل احتجاج
فیشن کے اہتمام سے کیا کچھ عیاں نہیں
لڑکیوں کو شکوہ ہے کیوں لڑکیاں ہیں ہم
لڑکوں کو یہ گلہ ہے وہ کیوں لڑکیاں نہیں

چینا' ضمیر بھائی اور خالہ ناشتے کی میز پر بیٹھے علی کا انتظار کر رہے تھے کہ باقی معاملات تو جیسے بھی ہوں لیکن صبح' دوپہر اور رات کا کھانا ہمارے قومی اصولوں کے مطابق مل کر کھایا جاتا تھا اور کھانے کے بعد اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ہضم کروانے میں بھی ساتھ دیا جاتا۔

سب اپنی کرسیوں پر بیٹھے بیٹھے اس وقت ایک دم مڑے جب علی کے داخلے کے ساتھ ہی تیز خوشبو ان کی ناک سے ٹکرائی۔ اسٹریٹنر کی مدد سے کسی بھلی مانس بو کی طرح بالکل سیدھے بال جو نارمل حالت میں مناسب معلوم ہوتے اب کندھوں کو چھونے لگے تو عقب سے لڑکی کا شائبہ پڑتا محسوس ہوا۔ عام دنوں کے برعکس عجیب ڈھیلی سی پینٹ.... اس پر دن رات کی ورزش کی مدد سے جسامت ہلہنرڈ کے میز سے مشابہ ہونے لگی۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج وہ اپنے لڑکا ہونے اور لڑکی نہ ہونے پر یوم سوگ منانے کے ارادے سے نکلا ہے۔

"علی.... خیر تو ہے نا' طبیعت تو ٹھیک ہے؟" سب سے پہلے خالہ نے خاموشی توڑی تو علی کو احساس ہوا کہ

وہ سب تو اسے یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں جیسے لوگ ایک ماڈل و ایکٹریس کا نائٹ شو دیکھتے ہیں۔

"چینا کو ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم چینا کے بھائی کے بجائے بہن بننا چاہ رہے ہو۔" چینا نے اس کے صاف ستھرے چمکدار چہرے کو دیکھ کر خدشے کا اظہار کیا۔ کہ ایک تو ویسے ہی اس کی رنگت صاف تھی اس پر یقیناً" آج اس کا چہرہ فیشل سے بھی دوچار محسوس ہو رہا تھا۔ ضمیر بھائی بھی اپنی رائے دینے کے لیے ہونٹوں کو وارم اپ کر ہی رہے تھے کہ علی خود بول اٹھا۔

"آپی کیا ہو جاتا ہے آپ سب کو ایک دم، میرے کالج میں آج فیشن شو ہے، بس اس لیے۔"

"تو کیا اس لیے تت تت تم لڑکی بنے ہو؟" آخر کار ضمیر بھائی کی زبان چل ہی گئی تھی۔ "اگر تمہارا یہ حال ہے تو صنف لاغر کا کیا حال ہو گا؟" خالہ کے انداز میں تعریت ہی تعریت تھی۔

"صنف لاغر نہیں خالہ صنف نازک۔" چینا نے سمجھانا چاہا۔

"ارے جب یرقان زدہ حسن، نچڑے ہوئے قحط یافتہ جسم، پچکے ہوئے چہرے، سوکھی سوکھی باہنیں ہی خوبصورتی کی علامت کہلائیں گی تو کیا اسے صنف لاغر کہنا ٹھیک نہیں ہے؟"

"ہاں بات تو سچ ہے۔" کاش چینا آپ کو بھولے سے ہی ذہین کہہ سکتی۔" خالہ نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے "فردا" "فردا" تینوں کو دیکھا۔

"لیکن چینا بھی کیا کرے، زبان سے جھوٹ نکلتا ہی نہیں۔" سر جھکا کر ناشتا شروع کرتے ہوئے چینا نے سچ اگلا۔ اور بدقسمتی ہی تو ہے کہ اب جھوٹ بولتے ہوئے فخر سے سر اٹھایا اور سچ بولتے ہوئے شرم اور خوف سے سر جھکا لیا جاتا ہے۔ یقین نہ آنے کی صورت میں بالترتیب سیاستدانوں کو الیکشن کے جلسوں میں اور آئی سی یو میں ڈاکٹرز کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ناشتے کا پلیٹ سے معدے تک کا سفر مکمل ہوا تو علی اپنی کرسی پیچھے کھسکا کا اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا آپی..... میں اب چلتا ہوں۔

"فکر نہ کریں، آج ایک مسئلہ ختم کرنے کے لیے سرپرائز لاؤں گا۔" علی نے اوپر والے پورشن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا جو خالہ کے دماغ میں غریب کی فائل بن کے پھنس گیا۔

"سرپرائز رکھ کر کوؤں کو کھلانے ہیں کیا؟"

"کوؤں کو کھلانا نہیں خالہ، کسی کا منہ بند کروانا ہے۔" چینا نے لوٹ پوٹ ہوتی خوشی کو سنبھالتے ہوئے خالہ کو اشارے کے ساتھ سمجھایا اور "اتفاقاً" وہ سمجھ بھی گئیں۔

"ہاں ان کا منہ تو واقعی بہت کھل گیا ہے۔" لفظ "چھوٹا" ایک مرتبہ پھر خالہ کو اپنے اردگرد خنک رقص کرتا محسوس ہوا۔

"لگتا ہے سوتے ہوئے بھی بھب بھی کھلا ہی رہتا ہے۔"

ضمیر بھائی کی بات پر ہنسی سب کے چہرے پر دوڑتی نظر آئی۔

☼ ☼ ☼

ابا چونکہ شروع ہی سے گاؤں میں پیدا ہوئے پلے بڑھے اس لیے شہری آبادی کی نسبت ان کی صحت اور صحبت بگڑنے کے امکانات اتنے ہی کم تھے جتنے اب غیر ملکی ڈراموں کے واپس جانے کے، لہٰذا جب تک گاؤں میں تھے کنجوسی کی عادت پر ہلکا سا پردہ ضرور پڑا رہا مگر جب سے شہر شفٹ ہوئے تھے وہ ہلکا سا پردہ بھی یوں گرا گویا شام ہوتے ہی تاروں کی طرح ابا کی بھی سب عادتیں عیاں ہو گئیں اور قیاس غالب تھا کہ یہ عادتیں انہیں مہنگی ہی نہ پڑیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اگر انہیں کہا جاتا کہ آپ کو کنجوسی کی یہ عادت مہنگی پڑ سکتی ہے تو وہ یہ شاید یہ عادت ہی چھوڑ دیتے کہ مہنگی انہیں کوئی بھی چیز گوارا نہیں، خواہ وہ عادت ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ عادت کا نام اگر وہ فطرت رکھ لیں تو یہ بات بھی خارج از امکان نہیں کیونکہ کنجوسی اور ابا دراصل ایک ہی کالے سکے کے دو رخ ہیں۔

اسی عادت کے طفیل ابا صبح دن چڑھتے ہی لاؤنج کی دیوار میں نصب آگ بجھانے کے آلے کو بڑے ہی افسوس سے دیکھ کر جانے کیا سوچ رہے تھے جب چندا

جمائی لیتے ہوئے گیلا چہرہ پونچھتے ہوئے اپنے کمرے سے نکلی اور انہیں یوں دیوار کے سامنے سوچوں میں غرق دیکھ کر چونک گئی کیونکہ اس کا ذاتی خیال تھا کہ اس طرح کے سنجیدہ و پیچیدہ تاثرات تو حاضرین کے چہرے پر کسی مصور کی پینٹنگز کی نمائش کے وقت ہوتے ہیں جب وہ ہر ایک پینٹنگ کے سامنے چپ چاپ کھڑے دل ہی دل میں یقیناً "یہ تصویر بھی سمجھ نہیں آئی۔" کہتے ہوئے پہلے خود کو اور پھر اس نا سمجھ مصور کو کوستے ہیں۔

"کیا ہوا ہے ابا؟ دیکھ رہے ہیں کیوں ایسے؟" آخر رہا نہ گیا تو چندا نے پوچھ ہی لیا۔ جس پر ابا نے ایسا لاجواب ہو کا بھرا کہ چندا کو پاکستانی فلموں میں کرداروں کی عین مرنے کے وقت کی گئی وصیت اور پھر وہ آخری ہو کا بھری لمبی سانس یاد آ گئی کہ جس کے بعد جب تک ان کی گردن ایک زوردار جھٹکے سے دائیں یا بائیں نہ لڑھکتی انہیں مردوں میں شمار نہ کیا جاتا۔ اب یہ بحث بالکل الگ ہے کہ کبھی کبھار ان مردوں کو اسکرین پر ہی بڑے آرام سے پلکیں بھی جھپکتا پایا جاتا۔ سو بالکل اسی انداز میں ابا نے بھی پلکیں جھپکاتے ہوئے چندا کی طرف گردن موڑی۔

"کش سوچ آ گئی تھی دماغ میں۔"

"وہی تو میں بھی پوچھ رہی ہوں کہ آ گئی تھی کونسی سوچ دماغ میں؟"

"عاشقے نے یہ آگ بجھانے کا ڈبا لٹکا کر بڑا خرچہ ہی کیا ہے نا؟" ابا نے جواب دیتے ہوئے چندا ہی سے سوال کر ڈالا۔

"لیکن میں سمجھی نہیں۔۔۔۔"

"مطلب میرا یہ ہے کہ پتری کہ آگ نے ابھی تک لگی نہیں کہیں بھی۔ ایویں ای بیکار لگا ہوا ہے دیوار پہ۔" لفظ لفظ میں اس قدر سنجیدہ افسردگی تھی کہ لگتا اب نہیں تو تب آبدیدہ ہو کر ہچکی لینے لگیں گے۔

"دواروں پر بھی خواہ مخواہ سینٹھاں لگوانے کے پیسے لیے ہم سے' اور آج تک کسی چور نے دیوار پھلانگ کر یا چھت کے ذریعے کود کر ان سیٹیوں کی آواز تک سننے

نہیں دی۔" بات ختم کر کے انہوں نے اس دفعہ اختتامی ہو کا بھرا لیکن اس با آواز بلند ہو کے (آہ) کے ساتھ ہی چندا نے ناگواری سے اپنی ناک بند کرتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔

"خدا کا واسطہ ہے ابا۔۔۔ کبھی صرف پانی سے ہی برش کر لیا کریں۔"

"او پتری' وہ جو میری دانت صاف کرنے کی برشی تھی نا اس کے بال جھڑ گئے ہیں۔" اس کی تقلید میں ابا بھی کچن تک جا پہنچے۔

"جو تھوڑے سے ہیں' کرلیں ان سے ہی' پھر نئی آجائے گی۔"

"کہہ تو رہا ہوں اس کے بال جھڑ گئے ہیں' اب تیری کیا مرضی ہے خالی ڈنڈی مار کے اپنے کیلشیم کی گولیوں جیسے سفید دانت توڑ دوں؟" ابا نے ناراض ہوتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹی اور اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کے لیے وہیں بیٹھ گئے مگر اس کے باوجود وہ بڑبڑاہٹ میں مصروف اس کے ہونٹوں کی زبان نہیں سمجھ پائے تھے۔ لیکن جیسے ہی چندا نے فریج سے دو انڈے نکالے' ابا یوں تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھ کر چندا تک پہنچے جیسے کرسی میں کرنٹ دوڑا ہو۔

"پتری ان دو انڈوں کا کیا کرنا ہے۔"

"ایک بوائل اور دوسرا کروں گی فرائی۔" چندا نے بڑے سکون سے جواب دیا مگر ابا کو سکون تب آیا جب انہوں نے چندا کے ہاتھ سے ایک انڈا لے کر واپس فریج میں رکھا۔

"اب اس ایک انڈے کے ساتھ جو تیری مرضی ہے کر۔"

"ابا۔۔۔" اس وقت چندا کا بڑی شدت سے جی چاہا تھا کہ باقی بچ جانے والا انڈا اپنی دائیں کنپٹی پر مار کر ابا ہی کے قدموں میں پھڑ پھڑا کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردے۔

"ایسا کر پتری۔۔۔ میری مان تو اس انڈے کو ادا فرائی کرلے اور ادھے کو بوائل۔"

"آخر کرتے ہیں کیوں اتنی کنجوسی؟" شکوہ چندا کے ہونٹوں سے نکلا۔

"نہ کروں تو چل تو خود بتا دے کہ دو سال بعد کیا کریں گے؟"

"لیکن دو سال بعد ہوگا کیا؟"

"وہی جو ابھی نہیں ہو رہا۔"

"ابھی کیا نہیں ہو رہا؟"

"جو دو سال بعد ہوگا۔"

"ابا پلیز بتائیں نا۔۔۔ کیوں سرکاری گواہوں کی طرح چھپا رہے ہیں اصلی بات۔"

"او پتری دو سال بعد جب ہر بندہ کہے گا دو ہزار سو۔۔۔ لا تو پتا کہاں سے لاؤں گا۔"

ابا نے دلیل ہی ایسی دی تھی کہ اس دفعہ چندا بھی متفق ہو کر تائید میں سر ہلانے لگی۔

☼ ☼ ☼

گھریلو کام کاج سے فارغ ہو کر چندا ہاتھ میں اخبار لیے بیٹھی ہی تھی کہ ابا بھی اس کے پاس آکر بیٹھے۔ کچھ دیر تو خاموشی سے رخ بدلتے رہے مگر رہا نہ گیا تو بول ہی اٹھے۔

"پتری' سارا اخبار آج ہی پڑھ لے گی تے پورا ہفتہ کیا کرے گی؟"

"پریشان نہ ہوں ابا' پڑھ لوں گی دوبارہ اسے ہی۔"

"اس لیے تے مجھے ٹی وی سے زیادہ اخبار اچھا لگتا ہے۔" چندا کے جواب نے انہیں مطمئن کر کے ان کا موڈ خوشگوار کر دیا تھا۔

"پڑھا جا سکتا ہے بار بار' اس لیے؟"

"او نئیں نئیں۔۔۔" ابا نے تہبند سنبھالتے ہوئے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔

"بندہ اخبار میں روٹیاں لپیٹ سکتا ہے' اس لیے۔" کھی کھی کر کے اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسے تو چندا سر جھٹک ایک بار پھر اخبار کی طرف متوجہ ہوئی لیکن چند ہی لمحوں بعد پھر بولی۔

"سوچتی ہوں' کاش ہمارے ملک میں ہوتی روپوں

کی بارش۔" لہجے میں افسوس اور دکھ تھا' لیکن ابا نے جوش میں آکر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی اور وہ بس منہ ہی تکتی رہی۔

"بارش ہوتی تے میں نے فیر اپنی چھت ہی تڑوا دینی تھی سب کمروں کی۔"

"اوہو ابا' آپ کے پاس اتنے پیسے ہیں' پھر بھی کرتے ہیں کیوں ایسی باتیں؟"

"اس لیے کہ بیٹی جوان ہوتے ویسی باتیں تو نئیں ناں کرسکتے کھل کے۔" ذہن میں خالہ کی شرماہٹیں گھبراہٹیں جون کی گرمی کی طرح پورے عروج پر تھیں۔ جب ہی ابا کے چہرے پر جو سرخی دوڑی اس نے تازے تربوز کو مات دے ڈالی۔

"یعنی آپ اب بھی.....؟"

"او چل' بوتیاں گلاں نہ کر میرے ساتھ' جا جا کے ٹماٹر پیاز دیکھ۔" ابا نے سیاسی یوٹرن لیا۔

"ویسے سال میں جتنے ٹماٹر پیدا ہوتے ہیں' این جی اوز بنتی ہیں اس سے کہیں زیادہ۔" اس کا دھیان اب تک ہاتھ میں موجود اخبار پر تھا۔

"او' پر کرنی کیا ہیں' ٹماٹروں کی طرح گل سڑ رہی ہیں' کم شم تو کوئی کرتی نئیں۔" اتنی عقلمندی کی بات ابا ملک میں ایک دن عید ہونے کی طرح شاذ ہی کیا کرتے تھے سو چندا حیران ہوئے بغیر نہ رہ پائی۔

"واہ ابا..... آپ بھی کرلیتے ہیں کبھی اچھی بات۔"

"تو کیا اب کروں گا تیرے ساتھ گندی بات.....؟ نی جھلیے۔" اپنی تعریف پر ابا کا موڈ بیٹھے بٹھائے خوشگوار ہو گیا تھا۔

"میں اک جاہل انسان..... کیا اچھی بات کروں گا؟"

"لیکن کبھی کبھار کرلیتا ہے ایک جاہل انسان بھی اچھی بات۔"

"ہاں یہ تے تونے بڑی اچھی بات کردی ہے کدی کدار۔"

"اچھی بات تو تب ہو اگر چل جائے اس لڑکی کا ایڈریس۔ دیکھیں ذرا۔" چندا نے اخبار ان کے سامنے پھیلاتے ہوئے انگلی سے نشان دہی کی۔

"نہ فکر کر پتری ڈھونڈلوں گا..... میں تے خود کڑیوں کو ڈھونڈتا رہتا ہوں۔" ابا کے منہ سے پھسل جانے والے جملے پر چندا چونکی۔

"او مدد شدد کے لیے..... ہور کیا میں نے ان سے مارننگ شو کروانے ہیں؟"

"ویسے ابا لڑکیاں کوئی موبائل کے سگنل نہیں ہیں جو آپ رہتے ہیں ڈھونڈتے۔" ابا کی کھسیاہٹ چندا کو کچھ کچھ اشارہ دے رہی تھی۔

"شاوا شے' تجھے کڑیوں اور موبائل کے سگنلوں میں کوئی فرق نئیں لگتا۔" صنف نازک کی توہین صنف مخالف سے قطعاً" برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"فرق تو نظر آتا ہے نا ابا کہ دہشت گردی کے خطرے کے تحت ہم نہیں بند کرسکتے لڑکیوں کو موبائل کے سگنلز کی طرح۔"

"بس تے فیر تو پریشان نہ ہو' اس اشتہاری کڑی کی میں آپے مدد کروں گا..... آخر دو مرلوں کا مالک ہوں کوئی مذاخ نئیں ہوں۔"

ابا کی اس قدر سخاوت پر چندا پھولے نہ سمائی تھی اور اس سے پہلے کہ ابا مزید کوئی بات کرتے چندا کو ایک اور بات یاد آگئی۔

"اور وہ میرا کالج کا ایڈمیشن..... آپ نہیں نا گئے بھول؟"

"نا پتری میں بھلیاتے نئیں ہوں پر یاد نئیں آرہا کہ جانا کیوں ہے تے کرنا کیا ہے جاکر؟" آئی برو کے بالوں کو کھینچ کر ان کی لمبائی ماپتے ہوئے ابا نے ذہن پر زور دیا کہ یہی ان کے سوچنے کا انداز تھا مگر چندا کے منہ بسورنے پر فوراً" بولے۔

"یاد آیا' پر تیرے داخلے کے لیے تے شید میری وی پدائشی سائٹیفکیٹ مانگیں گے نا۔"

"تو کیا ہوا ابا..... نیچے ہی تو ہے دکان ڈاکٹر کی بنوالیں۔"

"او ایہو ای تے مسئلہ ہے نا کہ میں کوئی سیاستدان نہیں کہ ایک دن گالیاں دوں اور دوسرے دن جا کر

جھجھی ڈال لوں۔" ابا صحیح معنوں میں پریشان تھے۔

"وہ سمجھا کریں نا ابا' ہمارا کام بھی ہو جائے گا اور وہ نہیں لیں گے پیسے بھی۔" چندا جانتی تھی کہ ان کی نبض کی رفتار پیسوں کے ذکر سے کم زیادہ ہوتی ہے۔

"یہ آخری بات بڑی چنگی ہے' ورنہ خواہ مخواہ دس پندرہ تے دینے ہی پڑتے۔" ابا نے کھڑے ہو کر یوں کن انکھیوں سے چندا کے ہاتھ میں اخبار کو دیکھا جیسے عام طور پر میٹرک کے بچے کمرہ امتحان میں نگران استاد کو دیکھتے ہیں۔

"جا رہے ہیں ابھی آپ؟" ابا یقیناً" یوں دیکھ کر اس کی اخبار پر گرفت کا اندازہ کر رہے تھے سو یقین ہو جانے کے بعد فوراً" اخبار جھپٹ لیا۔ اور کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولے۔

"جا تو رہا ہوں' اور یہ اخبار تے میں نے اس لیے لیا ہے کہ اتنی گرمی ہے' بندہ ذرا ہوا شوا ہی کر لیتا ہے۔" ابا نے ہاتھ میں پکڑے اخبار کے ساتھ ہوا کرتے ہوئے سیڑھیوں کی راہ لی تو چندا اخبار کے یوں چھن جانے پر کچھ کہہ بھی نہ سکی۔

✡ ✡ ✡

چینا دوپہر کے کھانے کی تیاری کے دوران اپنے موبائل فون کی تلاش میں باہر نکلی تو خالہ کی کچھ عجیب و غریب نظر آنے والی حرکات نے اسے چونکا دیا۔ دھیرے دھیرے ہونے والی ترقی کی رفتار سے وہ خالہ تک پہنچی اور پھر ہمیشہ کی طرح کچھ سمجھ نہ آنے پر پوچھنا ہی پڑا۔

"خالہ چینا کو بتانا پسند کریں گی کہ آخر آپ کیا کر رہی ہیں؟"

لاؤنج کے کارنر میں رکھے ان ڈور پلانٹ کے ساتھ ہاتھ میں بلب لیے مشکوک سرگرمیاں کرتی خالہ نے "تمہیں کیا تکلیف ہے" جیسے تاثرات چہرے پر سجائے ایک نظر چینا کو دیکھا اور پھر سے اپنی حرکات و سکنات کو جاری رکھتے ہوئے بولیں۔

"ملکی ترقی میں حصہ لے رہی ہوں۔۔۔ اور کیا میں تمہیں ٹرک چلاتی ہوئی نظر آ رہی ہوں۔"

"لیکن خالہ۔۔۔" چینا کی بات کو خالہ نے ٹریفک سگنل کے طور پر توڑا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں کتنی دفعہ کہوں کہ یہ آپ جناب میرے ساتھ نہ کیا کرو' عمر میں ایک دو سال کے فرق سے کچھ نہیں ہوتا۔"

"اوہ آئی سی۔۔۔ کاش چینا تمہیں کمپلیکسڈ۔۔۔ کہہ سکتی۔" جملے کا آخری حصہ چینا نے بڑبڑاہٹ کو سونپا۔

"ویسے لیکن خالہ ملکی ترقی میں حصہ بلب لگا کر نہیں' بجھا کر لیا جاتا ہے۔" چینا نے خالہ کو دانت پیستے ہوئے دیکھا جن کی زندگی کا شاید واحد مقصد اور آخری خواہش اس بلب کو ان ڈور پلانٹ پر لگانے یا لٹکانے کی تھی۔ مگر اس کے جواب میں خالہ نے افسردگی سے اتنی گہری سانس خارج کی کہ اگر بلب کی جگہ ہاتھ میں موم بتی ہوتی تو یقیناً" بجھ جاتی۔

"ارے بلب' چولہے اور دل تو پہلے ہی بجھ گئے ہیں۔"

"تو پھر آپ بلب میرا مطلب ہے خالہ۔۔۔ تم بلب کے ساتھ آخر کیا سلوک کرنا چاہتی ہو؟"

"ارے دیکھ نہیں رہیں کیا۔۔۔ پاور پلانٹ لگا رہی ہوں۔"

"پاور پلانٹ؟؟" حیرت سے چینا کی آنکھیں منہ سمیت کھل گئی تھیں۔

"آف کورس میں۔۔۔" بڑی بے نیازی سے خالہ نے کندھے اچکائے۔

"اور پورے سو والٹ کی پاور دے گا یہ پاور پلانٹ۔" مگر چینا سے خالہ کی حرکت بہت دیر تک برداشت کرنا بڑا مشکل تھا۔ اسی لیے اس نے یہ بمشکل جھیلنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے فوراً" ان کے ہاتھ سے بلب اور تار لی۔

"خالہ بلب نہ توڑ دینا۔ اور۔۔۔ اور یہ چینا کا فیورٹ پلانٹ ہے چھوڑ دو اسے۔" چینا نے خالہ کو موقع سے ہٹانے کی کوشش کی۔

اور اسی وقت سیڑھیوں سے اترتے ابا کے سنہری تلے دار کھسوں کی چیں چیں نے چینا کو پیچھے مڑنے پر مجبور کردیا۔ ادھر خالہ یوں ایک دم انہیں اپنے سامنے دیکھ کر پچھلا موڈ بھلا کر بڑی ادا سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگیں کہ وہ ابا سے ناراض ہیں۔ اور تب ابا کی وارفتگی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی کبھی خالہ کی طرف پاؤں مڑتے تو کبھی بیرونی دروازے کی طرف ... جسے ہی ابا بیرونی دروازے کی جانب رخ کرتے' خالہ انہیں قدموں پر کھڑی پوری کی پوری آگے کی جانب یوں لپکتیں جیسے انہیں روک رہی ہوں۔ جیسے ہی ابا کے قدم ان کی طرف مڑتے وہ ہونٹ سکیڑ کر مسکراہٹ دباتیں اور آنکھوں سے ناراض ہونا ظاہر کرتیں۔ جبکہ چینا ابا کے یوں سورج مکھی بننے پر شدید غصے میں تھی۔

آخر کار ابا نے خالہ کی طرف مڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی بل دار مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

"خالہ' یہ کھانسی کسے ہو رہی ہے؟" ابا کو مکمل نظر انداز کرکے بے نیازی سے چینا نے خالہ کو مخاطب کیا تو حسب معمول جذبات کے پرزور ریلے میں ان کی سماعت بہنے لگی۔

"یہاں تو کسی کو پھانسی نہیں ہو رہی چینا۔" خالہ نے جواب چینا کو دیا لیکن مخاطب ابا تھے جو آہستہ قدموں سے چلتے اب ان کے قریب ہی کھڑے تھے سو وارفتگی سے بولے۔

"پھانسی کیا... ہم کو تے کسی کی سانسوں نے اک منٹ میں جیتے جی مار دیا ہے۔" اپنی دانست میں انتہائی رومانٹک جملہ بول کر ابا دل ہی دل میں خود کو سراہ رہے تھے مگر ان کی یہ خوشی چینا نے خاک میں ملادی۔

"خالہ' کاش تم ماؤتھ واش یوز کرتیں' تو تمہاری سانسوں کی بو سے لوگ جیتے جی نہ مرتے۔" جب دو پیار کرنے والے دل آمنے سامنے ہوں تو وہ بجلی کی بندش اور گیس کی لوڈشیڈنگ تک کو بھول جاتے ہیں۔ یہ تو پھر چینا تھی۔ لہٰذا خالہ کے چہرے پر وہی شرمیلی مسکراہٹ اب بھی قائم رہی اور وہی ابا کا مونچھیں مروڑنے کا انداز۔ جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ اپنی مونچھیں نہیں موٹر سائیکل کا ریس مروڑ رہے ہیں۔

"یہ آپ کی مونچھیں..." خالہ نے جملہ ادھورا چھوڑ کر گمان کیا کہ دل کی بات دل تک جا پہنچی ہے۔

"اوہ... اسی لیے ضمیر کلین شیو ہے!"

"خالہ..." چینا کو خالہ کا "بہکنا" ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا سو ابا نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا اور چینا کی بات کاٹ کر بولے۔

"آہو جی... میں تے خود پہلے آپ کی طرح کلین شیو ہوتا تھا۔"

چینا نے سخت نظروں سے گھورتے ہوئے ناک پھلائی۔

"او نئیں جی میرا مطلب تھا کہ شادی کے بعد بندہ' بندہ تھوری رہتا ہے خاوند بن جاتا ہے ناں تے مونچھوں کی ضرورت نہیں رہتی۔" ابا نے گڑبڑاتے ہوئے بات سنبھالنے کی کوشش کی جو جعلی عامل کے منتر کی طرح الٹی پڑ گئی۔

"کاش چینا آپ کو بددماغ کہہ سکتی... یعنی کبھی تو اچھی بات بھی کرلیا کریں۔" اس وقت ابا کو بھی غصہ تو آیا مگر جانتے تھے کہ اس وقت کا غصہ ان کے حق میں برا ثابت ہوسکتا ہے اس لیے مفاہمت کی پالیسی کو جاری رکھا۔

"دراصل جب میرے ہونٹ نئیں ناں ملتے' اس وقت میں ساری اچھی باتیں ہی کر رہا ہوتا ہوں۔"

جی جی فکر نہ کریں بلکہ بولتے رہا کریں کوئی بات تو اچھی بولیں گے ہی۔"

"ہاں تو کچھ بولیے نا..." خالہ نے ایک نظر چینا کو دیکھتے ہوئے ابا سے فرمائش کیا۔

"بس... خدا کا واسطہ ہے بس کردیں۔" خالہ کا ہاتھ پکڑ کر چینا نے کمرے کی طرف گھسیٹا خالہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی ابا کو دیکھتیں اور کبھی کمرے میں جانے کے لیے آمادگی سے قدم اٹھاتیں۔ ادھر ابا جو سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ آیا انہیں پروٹوکول وی آئی پی

لوگوں کا دیا گیا ہے یا کہ عام آدمی کا یہی نا سمجھی ان کے انداز پر حاوی تھی سو پر سوچ طریقے سے بولے۔

"بستی بستی (بے عزتی) پتا نئیں کیوں مسوس ہو رہی ہے؟"

☼ ☼ ☼

"اتنی جلدی بھول گئیں کہ ابھی پچھلے ہی دن انہوں نے تمہیں کیا کہا تھا؟" کمرے میں داخل ہوتے ہی چینا نے پہلا سوال داغا جس نے خالہ کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

"مجھے بیاہ کا کہا تھا؟ لیکن کب؟"

"اوہو بیاہ کا نہیں خالہ، تمہیں ہلاک ہونے کا کہا تھا۔" چینا نے دانت پیسے۔

"لیکن میرے ہلاک ہونے سے انہیں کیا فائدہ ہو گا؟" خالہ نے جھنجلا کر کہا تو چینا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر موجود خالہ کی ہیرنگ ایڈ اٹھائی اور ان کے کانوں میں گھسائی۔

"خدا کے لیے، چینا کی جان پر رحم کرو اور یہ دونوں کانوں میں ٹھونس کے رکھا کرو۔"

"لیکن یہ تو میں صرف میڈونا کے سونگز کے لیے لگاتی ہوں۔"

"کیوں وہ تمہاری ماسی لگتی ہے؟"

"خبردار چینا۔ اگر میڈونا کو کچھ کہا تو۔۔۔"

"اسے تو نہیں لیکن کاش چینا تمہیں کھڑوس کہہ سکتی۔"

اتنا کہنا تھا کہ خالہ کا ضبط جواب دے گیا اور جب ان کا غصہ نظر آیا تو چینا کا غصہ خود بخود غائب ہو گیا۔

"نن نن نہیں میرا مطلب تھا کہ کاش کہہ سکتی۔۔۔ لیکن کہا تو نہیں نا۔"

"کہنا بھی نہیں، ورنہ مجھے بغیر بتائے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"تمہیں تو نہیں البتہ تمہیں برداشت کرنے والوں کو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" چینا نے زبردستی خود کو کول ڈاؤن کیا۔

"ہاں بہت کچھ تو نہیں، مگر کچھ کچھ تو مجھے بھی ہو سکتا ہے نا۔۔۔ اور ہو سکتا ہے بہت کچھ ہو بھی چکا ہو۔" خالہ نے شرماتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا اور دونوں ہاتھوں کی کنگھی بنائے کندھے سکیڑ کر جھومنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

تھرمامیٹر کی کامیاب تلاش کے بعد اب ضمیر بھائی مریضوں کے انتظار میں آنکھیں بچھائے خود کو یہ دلاسہ دے رہے تھے کہ چونکہ ان کو بھی ابھی شفٹ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اس لیے عام لوگوں کو ان کے کلینک کے متعلق اتنی ہی آگاہی ہے جتنی عام آدمی کو شماریات کی اور وہ وقت دور نہیں جب ان کے کلینک کے سامنے سی این جی حاصل کرنے کے لیے پیٹرول پمپ پر موجود لوگوں کی طرح قطاریں نظر آیا کریں گی اور کچھ بعید نہیں کہ وہ ایک ہی گھر کے چھ مریضوں کے چیک اپ پر ڈیڑھ پاؤ سی این جی دینے کا بھی سوچ لیں۔

اپنی تمام سوچوں کے ساتھ ضمیر بھائی اپنی ٹیبل کی ڈسٹنگ کر رہے تھے کہ کھلے دروازے سے ابا کو آتا دیکھ کر فوراً" اپنا ڈسٹر چھپایا اور خود کو بے حد مصروف ظاہر کرنے کی غرض سے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"کیا۔۔۔ آپ چھ سس سس سات لوگ میرے پاس علاج کے لیے آنا چچ چاہتے ہیں؟ سات آٹھ دوست بھی ہیں جو صرف مم مم مجھ سے علاج کروانے کی خاطر بہت دور سے آئے ہیں؟" اندر داخل ہوتے ابا کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا کہہ کر ضمیر بھائی نے اپنی بات جاری رکھی مگر ابا شاید اشاروں کی زبان سے نابلد تھے سو آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔

"معاف کریں، مم میں تو آج صبح سے مریض چیک کر کر کے تھک گیا ہوں، آپ سب کک کک کل تشریف لے آئیں۔"

"اوکا کے، لگتا ہے فون کی تار چھ سات مریضوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکی۔" ابا نے آگے بڑھ کر ٹیلی فون کی

بن نیچے سے اٹھاتے ہوئے اس کا ایک سرا ضمیر بھائی کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا تو ضمیر بھائی کو خیال آیا کہ شاید ڈسٹر چھپاتے ہوئے تار کا یہ سرا نکل گیا ہو۔ جب ہی گڑبڑاتے ہوئے ریسیور رکھا۔

"اوہ۔ تت تت تار آپ کے ہاتھ میں تھی؟ شاید اسی لیے آواز بب بب بہت کٹ کٹ کے آرہی تھی۔"

"ککٹ کٹ کے؟ کیوں اوئے میں نے واز کو چھریاں ماری ہیں؟" ابا نے تار نیچے پھینکتے ہوئے غصے سے پوچھا تو اپنے سے تگڑے بندے کو سامنے پا کر ضمیر بھائی کا مزاج خود بخود دھیما ہوا۔

"اچھا اچھا چچ چلیں چھوڑیں، یہاں آنے کا کوئی مقصد؟"

"بلا مقصد۔" ابا نے کندھے اچکاتے ہوئے کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گئے۔ ضمیر بھائی کی نظروں کو کسی غریب کی عزت و آبرو کی طرح خاطر میں نہیں لایا گیا تھا۔

"میرا مطبل تھا کہ بلا مقصد آنے کا تے میرا کوئی مقصد نئیں تھا۔"

"وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ آپ آئے کک کک کیوں ہیں؟"

"کام سے آیا ہوں، ہور کیا میں نے صرف ٹیلی فون دی تار ہلانی تھی؟" انہوں نے بڑی دھوم دھام سے برا مناتے ہوئے منہ پھلایا۔

"یہی تت تو پوچھ رہا ہوں اتنی دیر سے کہ کس کام سے آئے ہیں۔"

"اپنے ذاتی کام سے۔" وہ آج ضمیر بھائی کو زچ کرنے کے ناپاک عزائم کے ساتھ ہی داخل دفتر ہوئے تھے۔ یہ خیال اب بے زار بیٹھے ضمیر بھائی پر سوار ہو چکا تھا۔

"تو بتائیں نا کوئی کام۔"

"کیوں؟ تو فارغ ہے؟ اور کوئی کام نئیں تجھے؟" اتنا کہنا تھا کہ ضمیر بھائی کے مزاج کا پارہ ڈالر کی طرح چڑھ گیا اور وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ یہاں۔"

"برتھ سا ٹیفکیٹ بنوانے آیا تھا۔" ضمیر بھائی کی بات کاٹتے ہوئے ابا نے ادھر ادھر دیکھا۔

"پر کیا یہ ڈاکٹری دکان نئیں؟"

"ددکان نن نن نہیں یہ کلینک ہے۔" ضمیر بھائی کو اپنے کلینک کی توہین بالکل پسند نہیں آئی۔

"کس کا برتھ سرٹیفکیٹ بنوانا ہے؟ بب بچے کا؟" ضمیر بھائی نے بیٹھتے ہوئے کاغذ قلم سنبھالا۔

"آہو' بچے کا ہی بنوانا ہے۔" اچک کر انہوں نے کاغذ پر نظر جمائی۔

"تاریخ پیدائش؟"

"(1947ء) انی سو سنتالی۔"

جواب تھا کہ نب کے آگے آئی روئی، قلم ایک دم رک گیا تھا خود ضمیر بھائی بھی چونکے۔

"انیس سو سینتالیس۔۔۔؟ یہ کوئی بچہ ہے؟"

"اپنے ماں پیو کے لیے تو میں بچہ ہی ہوں کہ نئیں؟" شرمندہ ہونے کا تکلف کیے بغیر جواب آیا تو ضمیر بھائی جل کر بولے۔

"توبہ توبہ انیس سو سینتالیس کے فسادات بھب بھب بھی کیسے بھیانک نقش چھوڑ گئے ہیں۔" نشانہ براہ راست ابا ہی تھے۔

"سا ٹیفکیٹ بنانا ہے کہ۔۔۔" حسب عادت انہوں نے مونچھیں موڑیں تو تکمرا ہاؤس کے اس خود رو گلو بٹ سے ضمیر بھائی سہم گئے۔

"یی۔ یہ کک کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"میں آٹا گوندھ رہا ہوں، چاہییے دو چار پیڑے؟"

"کیا۔۔۔؟" ایک تو ان مونچھوں کی دہشت، پھر دھمکی آمیز لہجہ اور یہ حکومتوں کی پالیسیوں سا نہ سمجھ میں آنے والا جواب۔۔۔ ضمیر بھائی کی تو بس ہو گئی تھی۔

"او بس۔۔۔ نظر نئیں آتا مونچھیں موڑ رہا ہوں اور جب ہم زمیں داروں (زمینداروں) نے کوئی بندہ موڑنا ہوتا تے پہلے مونچھیں ہی موڑتے ہیں۔۔۔ پہلے گیئر کے طور پے۔"

ابا کا تفصیلی بیان ضمیر بھائی کو بہت کچھ سمجھا گیا تھا جب ہی خود کو اکیلا جان کر مزید سہم گئے اور فوراً" سے

ٹلم چلانے لگے۔ ضمیر بھائی کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے ابا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"ڈرتا ورتا تو میں کسی سے نہیں ہوں۔۔۔ یہ تت تت تو ویسے ہی آج کل ذرا کمزوری ہو گئی ہے۔" اپنا بھرم رکھنے کی خاطر انہوں نے وضاحت دینا ضروری خیال کیا جسے ابا نے ان کا خیال خام سمجھتے ہوئے خاطر میں لائے بغیر رد کر دیا۔

☼ ☼ ☼

دوپہر کے کھانے کے انتظام سے فارغ ہو کر چینا اور خالہ دونوں ہی اب ٹی وی کے سامنے موجود تھیں اور خالہ تو ان خواتین میں شامل تھیں جو صوفے پر بیٹھتے ہی دونوں پاؤں یوں اوپر کرتی ہیں جیسے صوفہ اور یہ انداز لازم و ملزوم ہیں۔ ہر پروگرام دیکھتے ہوئے ان کے بیٹھنے کا انداز مختلف ہوتا' اکثر تو بغیر آواز سنے چینا صرف ان کے بیٹھنے کے انداز سے ہی جان جاتی کہ وہ کس نوعیت کا پروگرام دیکھ رہی ہیں۔

ہارر پروگرام ہوتا تو دونوں پاؤں صوفے پر رکھے گھٹنوں کو جوڑ کر ان پر یوں بازو لپیٹتیں کہ تھوڑی سی تھوڑی عین دائیں ہاتھ کی کلائی پر ٹک جاتی۔ سین اگر زیادہ وحشت ناک ہوتا تو کلائی پر تھوڑی کی جگہ جہاز کے رن وے کی مانند کشادہ ماتھا لے لیتا۔ اپنی اسی خندہ پیشانی کو دنیا کی نظروں سے چھپانے کے لیے وہ فرنٹ ہنٹ کٹ استعمال کرتی تھیں۔

رومانٹک پروگرام وہ بیٹھتے ہوئے اسٹارٹ کرتیں اور چند ہی سینز بعد لیٹے ہوؤں میں شمار ہونے لگتیں۔ اکثر ہیروئن کو برا بھلا بھی کہتیں جو ایک خوبرو ہیرو کی قدر کرنے کے ڈھنگ سے واقف نہیں اور پھر دعا کرتیں کہ اللہ جلد از جلد ضمیر بھائی کے لیے کسی ہیرو نما خالو کا بندوبست کر دے۔ ساتھ ہی الیکشن میں کیے گئے پیشگی وعدوں کی طرح پروگرام کے وقفے کے دوران آنکھیں بند کر کے کشن بڑے معنی خیز انداز میں سنبھالتے ہوئے بڑے موڈ میں نور جہاں کے یہ بول گنگناتے ہوئے پائی جاتیں۔

ماہی آوے گا میں پھلاں نال دھرتی سجاواں گی
اونوں دل والے رنگلے پلنگ تے بٹھاواں گی
جھلاں گی پکھیاں غیر بڑا گج کین گیاں اکھیاں

یہ الگ بات ہے کہ آج کل ہر پاکستانیوں کی اکثریت ماہی کے آنے جانے کی کھل کے بغیر ہی ہاتھوں میں پکھیاں (ہاتھ کا پنکھا) لیے آنکھوں کے بجائے زبان سے وہ کچھ کہہ رہی ہوتی ہے کہ غصے میں ادا کیے گئے یہ جملے سن کر دسمبر میں بھی واپڈا کے شریف افسران کو پسینہ آجائے۔

(یاد رہے شریف ہونا شرط ہے ورنہ کوئی ذمہ داری قابل قبول نہ ہو گی۔)

سرکاری چینل پر خبریں ہمیشہ اس وقت سنتیں جب سونے کا ارادہ ہوتا اور تب بے اختیار خبرنامے کی پوری ٹیم کو تھوک کے حساب سے دعائیں بھی دے ڈالتیں کہ جن کے سبب عوام کو بغیر نیند کی گولیوں کے اس قدر جلدی نیند آجاتی ہے اور ذہن اتنا پرسکون ہو جاتا ہے کہ لگتا ہمارا ملک عالم خواب میں ہے جہاں ڈھیروں وسائل کی موجودگی میں مسائل ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے اور خالہ کا تو ماننا تھا کہ اگر ملک عالم خواب میں ہے تو عوام بھی تو گہری نیند میں ہے جسے جگانے کا ہنر صرف اور صرف واپڈا کے پاس ہے ورنہ تمام ملکی و قومی مسائل۔۔۔ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ۔۔۔!

میوزیکل پروگرام دیکھتے ہوئے وہ خود کو (اردو کے حرف) دو چشمی ے میں یوں ڈھالتیں کہ صوفے پر ان کی ٹانگیں تو جسم کے بوجھ تلے مقید ہوتیں اور وہ خود اس قدر روانی سے ساتھ ساتھ میوزک کے بول دہرا رہی ہوتیں کہ ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر انجان لوگ یہی سمجھتے کہ وہ کسی کو گالیاں دے رہی ہیں۔ اور پاپ میوزک کو تو ایسا انجوائے کرتیں کہ صوفہ بے چارہ اپنے صوفہ ہونے پر بلبلا تا۔ ہاں البتہ اس وقت وہ آلتی پالتی مار کر گود میں پاپ کارن کا باؤل رکھے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھیں سو چینا کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر بولیں۔

"اچھا ویسے یہ جو کامیڈی گیم ہوتا ہے۔۔۔"

"کامیڈی گیم نہیں خالہ کامیڈی پلے۔" چینا نے بات کاٹ کر درست کی۔

"گیم اور پلے دونوں کا مطلب کھیل ہوتا ہے نا؟" چینا نے منصفانہ انداز میں سر کو نیچے اور اوپر کیا۔

"تو پھر میں تو وہی کہوں گی جو میرا دل چاہے گا۔" چینا نے بے زاری سے دیکھ کر بغیر جواب دیے ٹی وی کی طرف رخ موڑا تو خالہ نے معذرتی رویہ اختیار کیا۔

"اچھا بابا کامیڈی پلے ہی سہی، لیکن ان میں پیچھے سے ہنسنے کی آوازیں کیوں آتی ہیں؟"

"وہ لوگ اس لیے ہنستے ہیں کہ بھلا اس میں ہنسنے کی کون سی بات تھی۔"

"میں پھنسنے کا نہیں چینا، ان کے ہنسنے کا پوچھ رہی ہوں۔" تسلی بخش جواب نہ پا کر انہوں نے پہلو بدلا۔

"ہاں تو چینا بھی تو یہی کہہ رہی ہے نا۔"

"اچھا چلو، یہ ونڈو تو شٹ ڈاؤن کرو، ہوا میں کھلی کتنی پاپولیشن اندر آرہی ہے۔" اس کے جواب پر نیم رضامندی ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے مٹھی میں پاپ کارن بھرے اور چھت کی طرف منہ کر کے مٹھی کا آخری سرا نیم وا کر کے منہ میں منتقل کرنا شروع کیے۔

اسی دوران ضمیر بھائی اور علی بڑے خوشگوار موڈ میں ہاتھ میں اخبار پکڑے اندر داخل ہوئے۔

"خالہ پاپولیشن نہیں پالوشن۔۔۔" چینا نے کھڑکی بند کرتے ہوئے فرض نبھایا۔

"ایک ہی بات تو ہے، دونوں ہی بے قابو ہیں۔"

"خیر تو ہے۔۔۔ چینا دیکھ رہی ہے کہ آج تم دونوں میں بڑی بن رہی ہے۔" چینا نے بڑے غور سے پہلے علی اور پھر ضمیر بھائی کو دیکھا۔

"بس بس ڈیئر، ضرورت کے وقت تو دشمن کو بھی اتحادی ماننا۔۔۔ پڑتا ہے۔" ضمیر بھائی نے علی کو دشمن کہا، لیکن پھر بھی وہ ان کے خلاف کچھ نہ بولا تو چینا کو یقین ہو چلا کہ کوئی ڈیل ہو چکی ہے۔ جس میں فائدہ مشترکہ ہے۔

"آپی، آپ نے آج کا اخبار دیکھا؟" علی نے چینا کے قریب بیٹھتے ہوئے بڑے پرجوش انداز میں پوچھا تو وہ ان دونوں کے بدلے ہوئے انداز میں گم لاپرواہی سے بولی۔

"ہاں، ابھی کل ہی تو دیکھا تھا۔"

"آپی میں آج کے اخبار کی بات کر رہا ہوں۔"

"چھوڑو علی، بھینس کے آگے بین بجانے کا کیا ففف فائدہ۔" ضمیر بھائی نے چینا کے دماغ کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھایا ورنہ عام حالات میں وہ یہ بات چینا کے سامنے سوچ بھی نہیں سکتے تھے، اس کام کے لیے کلینک جو تھا۔

"ارے لیکن بھینس کے آگے بین بجا کر کیا اسے ڈانس سکھاؤ گے؟" پروگرام کے درمیان اشتہارات کے وقفے کے دوران دکھائے جانے والے ڈانس شو میں موجود چند اسپیشل گیٹس کو دیکھا تو خالہ کی زبان پھسل گئی اور علی کا ضبط جواب دے گیا سو وہ کھڑا ہو گیا۔

"آخری دفعہ پوچھ رہا ہوں آپی کہ آپ نے آج کا اخبار دیکھا ہے؟"

"آخری مم مرتبہ؟ کیوں اس کے بعد تم خودکشی کرنے لگے ہو؟"

"آپ سب کے ساتھ رہنے سے تو بہتر ہے کہ خودکشی ہی کر لوں، سرمایہ کاری تو ہونے سے رہی۔" وہ آخری حد تک زچ ہو چلا تھا جس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو (جسے وہ ہر تین سیکنڈ بعد ضرور دیکھتا تھا) جیب میں ڈال دیا اور اس کا یہ انداز ہی خالہ کو فلمی انداز میں دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے زور سے "نہیں" کا نعرہ بلند کرنے پر مجبور کر گیا۔ سو انہوں نے افراتفری کے عالم میں چینا کو جھنجھوڑا۔

"تمہارا بھائی کاروکاری کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے چینا۔۔۔ خدارا اسے بچا لو۔"

"علی، یہ چینا کیا سن رہی ہے؟"

"بکواس!" چونک کر پوچھے گئے سوال کا مختصر جواب چینا کو تپا گیا۔

"کاش چینا تمہیں انتہائی بدتمیز کہہ سکتی۔"

"تت تت تت تو کہہ لیں۔۔۔ تمہارا بھائی ہے کوئی عدالتی فیصلہ تھوڑی ہے کہ تم ڈر ڈر رہی ہو۔" موقع

"کامیڈی گیم نہیں خالہ کامیڈی پلے۔" چینا نے بات کاٹ کر درست کی۔

"گیم اور پلے دونوں کا مطلب کھیل ہوتا ہے نا؟" چینا نے منصفانہ انداز میں سر کو نیچے اور اوپر کیا۔

"تو پھر میں تو وہی کہوں گی جو میرا دل چاہے گا۔" چینا نے بے زاری سے دیکھ کر بغیر جواب دیے ٹی وی کی طرف رخ موڑا تو خالہ نے معذرتی رویہ اختیار کیا۔

"اچھا بابا کامیڈی پلے ہی سہی، لیکن ان میں پیچھے سے ہنسنے کی آوازیں کیوں آتی ہیں؟"

"وہ لوگ اس لیے ہنستے ہیں کہ بھلا اس میں ہنسنے کی کون سی بات تھی۔"

"میں پھنسنے کا نہیں چینا، ان کے ہنسنے کا پوچھ رہی ہوں۔" تسلی بخش جواب نہ پا کر انہوں نے پہلو بدلا۔

"ہاں تو چینا بھی تو یہی کہہ رہی ہے نا۔"

"اچھا چلو، یہ ونڈو تو شٹ ڈاؤن کرو، ہوا میں کھلی کتنی پاپولیشن اندر آرہی ہے۔" اس کے جواب پر نیم رضامندی ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے مٹھی میں پاپ کارن بھرے اور چھت کی طرف منہ کرکے مٹھی کا آخری سرا نیم واکر کے منہ میں منتقل کرنا شروع کیے۔ اسی دوران ضمیر بھائی اور علی بڑے خوشگوار موڈ میں ہاتھ میں اخبار پکڑے اندر داخل ہوئے۔

"خالہ پاپولیشن نہیں پالوشن۔۔۔" چینا نے کھڑکی بند کرتے ہوئے فرض نبھایا۔

"ایک ہی بات تو ہے، دونوں ہی بے قابو ہیں۔"

"خیر تو ہے۔۔۔ چینا دیکھ رہی ہے کہ آج تم دونوں میں بڑی بن رہی ہے۔" چینا نے بڑے غور سے پہلے علی اور پھر ضمیر بھائی کو دیکھا۔

"بس بس ڈیئر، ضرورت کے وقت تو دشمن کو بھی اتحادی ماننا ہی پڑتا ہے۔" ضمیر بھائی نے علی کو دشمن کہا، لیکن پھر بھی وہ ان کے خلاف کچھ نہ بولا تو چینا کو یقین ہو چلا کہ کوئی ڈیل ہو چکی ہے، جس میں فائدہ مشترکہ ہے۔

"آپی، آپ نے آج کا اخبار دیکھا؟" علی نے چینا کے قریب بیٹھتے ہوئے بڑے پرجوش انداز میں پوچھا تو وہ ان دونوں کے بدلے ہوئے انداز میں گم لاپرواہی سے بولی۔

"ہاں، ابھی کل ہی تو دیکھا تھا۔"

"آپی میں آج کے اخبار کی بات کر رہا ہوں۔"

"چھوڑو علی، بھینس کے آگے بین بجانے کا کیا فف فف فائدہ۔" ضمیر بھائی نے چینا کے دماغ کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھایا ورنہ عام حالات میں وہ یہ بات چینا کے سامنے سوچ بھی نہیں سکتے تھے، اس کام کے لیے کلینک جو تھا۔

"ارے لیکن بھینس کے آگے ٹین بجا کر کیا اسے ڈانس سکھاؤ گے؟" پروگرام کے درمیان اشتہارات کے وقفے کے دوران دکھائے جانے والے ڈانس شو میں موجود چند اسپیشل گیٹس کو دیکھا تو خالہ کی زبان پھسل گئی اور علی کا ضبط جواب دے گیا سو وہ کھڑا ہو گیا۔

"آخری دفعہ پوچھ رہا ہوں آپی کہ آپ نے آج کا اخبار دیکھا ہے؟"

"آخری مم مرتبہ؟ کیوں اس کے بعد تم خود کشی کرنے لگے ہو؟"

"آپ سب کے ساتھ رہنے سے تو بہتر ہے کہ خود کشی ہی کرلوں، سرمایہ کاری تو ہونے سے رہی۔" وہ آخری حد تک زچ ہو چلا تھا جس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو (جسے وہ ہر تین سیکنڈ بعد ضرور دیکھتا تھا) جیب میں ڈال دیا اور اس کا یہ انداز ہی خالہ کو فلمی انداز میں دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے زور سے "نہیں" کا نعرہ بلند کرنے پر مجبور کر گیا۔ سو انہوں نے افراتفری کے عالم میں چینا کو جھنجھوڑا۔

"تمہارا بھائی کاروکاری کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے چینا۔۔۔ خدارا اسے بچالو۔"

"علی، یہ چینا کیا سن رہی ہے؟"

"بکواس!" چونک کر پوچھے گئے سوال کا مختصر جواب چینا کو تپا گیا۔

"کاش چینا تمہیں انتہائی بدتمیز کہہ سکتی۔"

"تت تت تت تو کہہ لو۔۔۔ تمہارا بھائی ہے کوئی عدالتی فیصلہ تھوڑی ہے کہ تم ڈڈ ڈر رہی ہو۔" موقع

پاکر ضمیر بھائی نے اپنی فطرت کے مطابق اکسایا۔

"ویسے علی، یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔" خالہ نے علی کے ہاتھ میں بھونپو کی شکل اختیار کیے رول نما چیز کے بارے میں دریافت کیا۔

"یہ اخبار ہے، جس کی میں بات کر رہا تھا۔" شکایتی نظروں سے چینا کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"شام کا اخبار ہے؟"

"نہیں خالہ، شام کا نہیں پاکستان کا اپنا اخبار ہے۔"

"یہ کوئی عام اخبار نہیں ہے چچ۔۔۔ چینا۔"

"ڈیٹ ہی تو نئی ہوتی ہے ضمیر، باقی سب وہی پرانا۔"

"لو یہ والا اشتہار پڑھو۔" علی کے ہاتھ سے اخبار لے کر انہوں نے چینا کی طرف بڑھایا تو وہ باآواز بلند سامنے نظر آنے والا اشتہار پڑھنے لگی۔

"باتھ روم کے لیے دلفریب، جاذب نظر۔۔۔"

"یہ نہیں ساتھ والا۔۔۔" ضمیر بھائی نے خبر کاٹی۔

علی نے اس کے ہاتھ سے اخبار چھینا اور آخر کار خود ہی اشتہار پڑھ کر سنانے لگا۔

"مخیر حضرات سے اپیل کی جاتی ہے کہ میں ایک نوجوان یتیم بے سہارا لڑکی ہوں جس کا اکلوتے بھائی کی جان ایک موذی مرض سے بچانے کے لیے آپ سب کی زیادہ سے زیادہ مالی امداد چاہیے۔" لمحہ بھر رک کے اس نے میڈونا اور چینا کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے پر وہی تاثرات نظر آئے جو خود اس کے چہرے پر لیکچر کے دوران ہوتے تھے۔۔۔ کچھ نہ سمجھ آنے والے!

"نف نف فون نمبر اور اکاؤنٹ کا نمبر بھی ہم نے سس۔۔۔ ساتھ لکھا ہے۔" بات کرتے ہی ضمیر بھائی اور علی ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے تب کہیں جا کر چینا کچھ سمجھی۔

"تو کیا یہ اشتہار تم دونوں نے دیا ہے؟"

"دونوں نہیں، صرف علی نے۔۔۔ لیکن کیا پتا خہ اش۔۔۔ تمہارا دیا ہے۔"

"واہ علی تم تو بڑے تیز ہو۔" خالہ کو بھی تعریف کرنا پڑی۔

"بس خالہ، کبھی غرور نہیں کیا۔" اتراتے ہوئے کالر سیدھا کیا۔

"ہاں بنا ابھی نہیں ہے۔"

"اب دیکھیے گا ہمارا اکاؤنٹ بھی ہسٹنگ منسٹڑز کے اکاؤنٹ کی طرح بھرے گا۔" علی نے بڑے جوشیلے انداز میں چٹکی بجائی۔

"کوئی پتا نہیں علی، اس تت تت تنہا اور بے سہارا، مگر نوجوان لڑکی کو کچھ اور بھی آفرز آجائیں۔" ضمیر بھائی نے انجوائے منٹ کے مزید امکانات کے تحت مسکراتے ہوئے دائیں آنکھ بند کی تو علی کی بولنے کی ٹون ہی بدل گئی۔ ایک دم نسوانی آواز بناتے ہوئے بولا۔

"ہائے اللہ، مردوں کے اس معاشرے میں ایک خوب صورت، جوان اور تنہا لڑکی اتنے ہمدردوں کو کیسے سنبھالے گی۔"

"نف نف فکر نہ کرو، میں ہوں نا ہر وقت تمہارے سس۔۔۔ ساتھ۔" ضمیر بھائی نے فوری خدمات پیش کرنے میں 1122 کو پیچھے چھوڑا۔

"اوہ ہاں، میں تو بھول ہی گیا تھا کہ جراثیم تو ہر وقت، ہر جگہ ہمارے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔"

چینا اور خالہ کو حیران چھوڑے علی نے شرارت بھرے انداز میں کہا تو ضمیر بھائی نے مصنوعی خفگی سے ہاتھ میں پکڑا اخبار اس کے سر پر دے مارا۔

☆ ☆ ☆

میں تنہا ہوں مجھے ایسے ملازم کی ضرورت ہے
کہ جو تنخواہ لے مجھ سے فقط دو وقت کا کھانا
وہ صبح شام دے گا حاضری دربار داتا پر
وہاں سے لائے گا کھانا، اپن دونوں کا روزانہ

اور اس میں بھلا کیا شک تھا کہ ابا کا بس چلتا تو یقیناً اپنے دونوں وقت کا کھانا حاصل کرنے کے لیے کسی دربار کے لنگر خانے سے ایگریمنٹ کر لیتے اور اسی بات پر چندا کا ابا سے دائمی اختلاف تھا۔ سو ابھی بھی وہ ہاتھ

میں شوگر پاٹ پکڑے کھڑے تھے جب وہ اپنے کمرے سے ابا کو آوازیں دیتی ادھر ادھر دیکھنے کے بعد کچن میں آپہنچی۔

"او کیا ہے پتری' کیوں صبح ہی صبح نعرے لگا رہی ہے؟" ابا نے ڈسٹرب ہونے پر برا منایا۔

"اخبار ڈھونڈ رہی تھی' رکھ دیا ہے کہاں آپ نے؟"

"کیوں؟ تو نے خبار سے شیشے صاف کرنے ہیں؟"

"نہیں ابا' اس لڑکی کا نمبر لینا تھا۔" ابا ایک دم چونکے پھر سنبھل کر موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"اباڈبا بعد میں کریں' نا پہلے مجھے یہ تے بتا کہ میں نے جو خبار والے کو کہا تھا کہ رات کو خبار دینے آیا کرے' تے فیر کیوں لیا صبح کا تازہ خبار؟"

"ولیکن رات تک تو اخبار ہو جاتا ہے نا پرانا۔" وہ منمنائی۔

"ہاں تے پر پیسے وی تے ادے ہو جاتے ہیں نا۔" پیسے بچانے کے لیے ان کے پاس لاتعداد دلائل تھے۔

"اچھا ابا اب رات کو لے لوں گی' لیکن وہ نمبر...."

"پریز بانڈ کا نمبر نئیں ہے وہ' جو تو اتنا پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ دے دوں گا اسے میں سو پچاس۔"

"سو پچاس...." چندا کی حیرت دیدنی تھی۔

"اوئے آہو' فیر زکوٰۃ میں سے کاٹ لیں گے نا۔" ابا کے سامنے ہمیشہ ہی لاجواب ہونے والی چندا سر جھٹک کر جانے لگی کہ اس وقت ان کے ہاتھ میں موجود شوگر پاٹ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کیا آپ کھڑے ہو کر گن رہے ہیں چینی کے دانے؟"

"یاد نئیں رہا' پنڈ (گاؤں) کے ڈاکٹر نے کہا تھا روز شگر چیک کرنا۔"

"تو آپ کر رہے ہیں اپنی شوگر چیک؟" انتہائی صدمہ چندا کی آواز میں ہی نمایاں تھا۔

"تے ہور کیا... شوگر زیادہ ہوتی ہے تے بسم اللہ پر کم نئیں ہونی چاہیے۔"

"اف.... میرے تو ہونے لگا ہے سر میں ہی درد۔"

چندا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر یوں پکڑا جیسے خواتین دیگچی پکڑتی ہیں.... صرف انگوٹھوں اور انگلیوں کی نصف لمبائی سے۔

"جا جلدی جا' نیچے لان میں چکر لگا کے آ... خواہ مخواہ دوائی کا خرچہ نہ پڑ جائے۔" شوگر پاٹ بند کر کے وہ تیزی سے چندا کے پاس آئے تھے' لیکن شاید اس کے لیے یہ مشورہ قابل عمل نہ تھا۔ جب ہی حیران ہوئی۔

"ابا لان میں؟"

"او پتری لان تے سانجھا ہے نا دونوں گھروں کا' جا ولیر ہو کے۔" اس کے سر درد سے زیادہ ابا کو اس فیس کی فکر تھی جو درد زیادہ ہونے کی صورت میں کسی بھی ڈاکٹر کو ادا کرنی پڑتی۔ سو اسے نیچے لان میں بھیجنے کے بعد انہوں نے سکون کا گہرا سانس خارج کرتے ہوئے شوگر پاٹ کو کیبنٹ میں رکھا اور بولے۔

"شکر ہے رہا سوہنیا... شوگر تے ابھی تک نارمل ہی ہے۔"

☼ ☼ ☼

یہ پڑھائی نہیں آسان بس اتنا سمجھ لیجیے
اک فینائل کی گولی ہے اور چوس کر کھانی ہے

علی ہاتھ میں کتاب لیے لان میں سست قدموں سے چلتا ہوا آیا' دونوں بازو اوپر کر کے ایک بھرپور انگڑائی لی اور گرنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے اندر کی طرف منہ کا رخ کر کے آواز لگائی۔

"آپی میں لان میں بیٹھا پڑھ رہا ہوں' پلیز گھنٹے بعد جگا دیجیے گا۔"

علی کے اس پیغام کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ اسے پڑھنا لکھنا پسند نہیں ہے بلکہ وہ تو چلتے پھرتے بھی پڑھنے والوں میں شامل تھا' موبائل کے میسجز' فیس بک پر کمنٹس اور اخباروں میں غیر ملکی اداکاروں کے اسکینڈلز پڑھنے میں وہ بھی اپنی ساتھ کی نوجوان نسل کے شانہ بشانہ تھا۔

کتاب منہ پر رکھے جس سکون سے نیند آتی ہے اتنے سکون سے تو جہاز میں ایئر ہوسٹس نہیں آتی' لیکن

شرط یہ ہے کہ وہ جہاز غیر ملکی ہو' ورنہ قومی ایرلائن کی اکثر ہوسٹس سے بات کرنے کے بعد دوران فلائٹ سکون ناپید ہی رہتا ہے' یہ علی کا ماننا تھا اور اسی لیے وہ کتاب سے چہرہ چھپائے سونے کی کوشش میں تھا جب کہ چندا لان میں داخل ہوئی اور اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔

اسی دوران جیب میں رکھے موبائل پر مسیج کی بپ ہونے پر علی نے جیب سے موبائل نکالنا چاہا تو کتاب گر گئی جس سے چندا ایک دم گڑبڑا سی گئی۔ علی نے ایک خوشگوار حیرت کے ساتھ اسے دیکھا اور مسیج دیکھے بغیر ہی موبائل بند کردیا۔

"اچھا ہوا تم نے جگا دیا' ورنہ تو شاید ساری رات نیند نہ آتی۔"

"تم نے شاید نہیں سنا وہ محاورہ؟" چندا جس کا موڈ ابا کی وجہ سے خراب تھا علی کو دیکھا تو اس خیال سے کہ شاید کچھ دیر بات چیت سے ذہن فریش ہو جائے بولی۔

"ہاں وہ... وہ شاید نہ سنا ہو کون سا تھا؟" علی نے نجالت کے ساتھ سر کھجایا۔

"جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے۔" مسکراتے ہوئے جواب آیا تو علی نے فری ہونا خود پر فرض خیال کیا۔

"اور جو سوتی ہے وہ...؟"

"او ہو' یہ تو ہے صرف ایک محاورہ" کرسی گھسیٹ کر وہ بیٹھی۔

"تو میں نے کب کہا کہ آئٹم نمبر ہے۔"

"کتنا چھوٹا دماغ ہے تمہارا۔" اتنی اچھی شکل و صورت اور خوب صورت شخصیت کے دماغ کا خانہ نہ پاکر چندا کا دل تعزیت کرنے کو چاہا تھا' لیکن علی بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا سو بغیر شرمندہ ہوئے بولا۔

"پتا نہیں میں نے تو آج تک ناپا ہی نہیں۔"

"بچپن میں یقیناً" مٹکے میں رکھ کر سوتے ہوگے سر۔" وہ چڑ ہی تو گئی تھی۔

"مٹکے میں تو نہیں البتہ نلکے میں ضرور رکھتا تھا۔" علی نے درستگی کی۔

"سر؟"

"نہیں پر...!" وہ مسکرایا۔

"پر؟"

"ہاں تو اور کیا' بچپن میں' میں پرندوں کے پر نلکے میں رکھ دیتا تھا۔" کندھے اچکاتے ہوئے اس نے بڑی دلچسپی سے اس کی آنکھوں میں موجود حیرت کو انجوائے کیا۔

"مگر پر کہاں آ گئے بیچ میں؟" چندا نے الجھ کر علی کو دیکھا جو اس سے آنکھیں چار کرنے کا چارہ کرنے میں مصروف تھا۔

"پر تو ہوتے ہی بیچ میں ہیں نا' آگے سر پیچھے دم۔"

"علی تم..." اب تک وہ دانت پیسنے کی اسٹیج پر پہنچ چکی تھی اور علی کا تو خیال تھا کہ وہ کافی صبر اور حوصلے والی ہے جو اتنی دیر باتیں کرنے کے بعد دانت پیس رہی ہے ورنہ عام طور پر تو جاننے والے لوگ صرف اسے دیکھتے ہی دانتوں کی رگڑائی کرنے لگتے۔

"نہیں دم..."

"نہیں دمیں..." اس کے منہ سے تمہیں کے بجائے دمیں نکلنے کی دیر تھی کہ علی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہونے لگا اور اس قدر ہنسا کہ ہنسنے کے بعد بھی اس کی سانسوں میں پرانی پاکستانی فلمی اداکاراؤں کا زیرو بم محسوس ہوتا رہا۔

"میرا بس چلے تو اس بے ہودہ ہنسی پر اتنا ماروں کہ بھول جائے تمہیں تمہارا نام۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"علی... علی نام ہے میرا۔"

"میں نے تمہارا نہیں پوچھا نام۔"

"بتایا اس لیے ہے کہ مار کھانے کے بعد بھول جاؤں تو یاد دلا دینا پلیز۔"

"لگتا ہے سارے ہی پاگل ہو... مجھے تو آتا ہے ترس تم سب پر۔" رحم بھری نظروں سے اس نے دیکھا۔

"اچھا؟ لیکن مجھے تو اتنی گرمی میں صرف پسینہ ہی آتا ہے۔" علی کی باتوں کا بہترین جواب یہ تھا کہ اسے کوئی جواب نہ دیا جاتا' للہٰذا وہ خاموشی اسے واپس جانے کے لیے مڑی۔

''اچھا اچھا سنو۔۔۔ ایک بات تو بتاتی جاؤ۔'' علی کی پکار وہ مڑی تو وہ بڑا ہی جھجک کر شرماتے ہوئے بولا۔

''وہ۔۔۔ پوچھنا یہ تھا کہ۔۔۔ تمہارا کوئی بوائے فرینڈ تو نہیں ہے نا؟''

''بوائے فرینڈ۔۔۔؟ نہیں تو!'' سوال نہ سمجھ آنے کے باوجود اس نے جواب دیا۔

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ میرا بھی نہیں ہے۔'' علی نے ذو معنی انداز میں اس کے چہرے پر نظریں جما کر مسکراتے ہوئے کہا تو وہ الجھ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

تجھے مجھ سے، مجھ کو تجھ سے، جو بہت ہی پیار ہوتا
نہ تجھے قرار ہوتا۔۔۔ نہ مجھے قرار ہوتا
ترا ہر مرض الجھتا میری جان ناتواں سے
جو تجھے زکام ہوتا تو مجھے بخار ہوتا
جو میں تجھ کو یاد کرتا تجھے چھینکنا بھی پڑتا
مرے ساتھ بھی یقیناً'' یہی بار بار ہوتا
کسی چوک میں لگائے کوئی چوڑیوں کا کھوکھا
ترے شہر میں بھی اپنا کوئی کاروبار ہوتا
غم و رنج عاشقانہ نہیں کیلکولیٹرانہ
اسے میں شمار کرتا جو نہ بے شمار ہوتا
وہاں زیر بحث آتے خط و خال و خوئے خوباں
غم عشق پر جو انور کوئی سیمینار ہوتا

ابا کے ابا مرحوم جس عمر میں مرنے سے ڈرنے لگے تھے عین اسی عمر میں ابا کا دل کسی پر مرنے کو بے طرح بے چین رہنے لگا تھا اور آج کل تو وہ یہ بات سوچ کر بھی افسردہ ہو جاتے کہ مجھ یتیم کا اس دنیا میں کوئی تو چوبیس گھنٹے خیال رکھنے والا ہو کوئی ہو جس سے وہ کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کو لڑ جھگڑ بھی لیا کریں اور پھر وہ انہیں منایا بھی کرے اور انہیں اس بات کا بھی قوی یقین تھا کہ اگر ان کی شب و روز کی محنت رنگ لے آئی اور وہ کسی کے سر کا تاج بن بھی گئے تو اس سے گھر میں چندا کے لیے بھی کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو گا' ہاں چندا کی شادی کے بعد ملک میں ایک نیا مقروض لانے سے

انہیں کوئی نہیں روکے گا کہ نومولود کے آنے اور سخت گرمی کے جانے سے عام طور پر ہمارے ملک میں سکھ کا سانس لیا جاتا ہے۔

اپنے مستقبل کے انہی ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ابا دبے قدموں اپنے کمرے میں آئے چندا کے دیکھ لینے کے قومی امکانات کے تحت انداز ایسا تھا جیسے کچھ چرا کر کمرے میں لائے ہوں۔ اندر داخل ہو کر سب سے پہلے دروازے کو اندر سے بند کیا اور تنہا ہونے کے باوجود ادھر ادھر دیکھنے کے بعد تکیے کے غلاف کے اندر سے تہ شدہ اخبار نکال کر ایک مرتبہ پھر اس نمبر کو بغور دیکھا جس پر ریڈ پین سے دائرہ لگایا گیا تھا۔

ہاتھ میں پکڑے اخبار اور اس پر لکھے نمبر کو دیکھنے کے دوران بڑے اسٹائل سے ان کی اپنی مونچھوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی جاری تھی۔ اتنے آرام اور پیار سے وہ ان پر ہاتھ پھیر رہے تھے جیسے عام طور پر کسی جانور کو اپنائیت کا احساس دلانے کے لیے سہلایا جاتا ہے۔ کچھ دیر یہی ان ڈور گیم جاری رکھنے کے بعد آخر کار انہوں نے نیلے رنگ کے مومی لفافے سے اپنا وہ موبائل فون نکالا جس میں ایک رات گاؤں کی تصویریں دیکھنے کے دوران ان کی آنکھ کیا لگی موبائل ہاتھ سے ایسا گرا کہ بالکل دونوں بھنوؤں کے درمیان ٹینس کی بال جتنا یادگاری تمغہ چھوڑ گیا۔ وہ دن تھا اور آج کا دن انہوں نے کبھی بھی اس حالت میں فون استعمال نہیں کیا تھا کہ وہ لیٹے ہوئے یا غنودگی کی حالت میں ہوں۔ ہمیشہ ہشاش بشاش ہو کر فون اس کے شاپر سے نکالتے۔

سو اب بھی کچھ دیر خیالوں اور تصورات میں چند منٹوں بعد ہونے والی گفتگو کو ترتیب دیا۔ یوں بھی ان کا ذاتی فلسفہ تھا کہ بے ترتیب گفتگو اور کپڑوں سے آئی بو کے ساتھ بندہ کبھی بھی نئی رشتے داری قائم نہیں کر سکتا۔

اور آخر کار جب تمام خیالات اور الفاظ پولنگ اسٹیشن میں لگی قطار کی طرح ترتیب وار نظر آئے تو انہوں نے نمبر ملایا۔ ان کا نمبر ملانے کا انداز بھی جہان سے منفرد اور نرالا تھا موبائل فون کو کسی شیر خوار بچے کی طرح ہاتھ میں لے کر اپنی آنکھوں کی متوازی سطح تک لاتے اور پھر دائیں ہاتھ کی وہ انگلی جس سے وہ اکثر دوسروں پر انگلی اٹھایا کرتے تھے اس سے ہر ایک نمبر کو یوں ہلکا سا دبا کر دائیں بائیں ہلاتے جیسے شیر خوار بچے کی تھوڑی پر انگلی رکھے اسے ہنسانے کی کوشش کر رہے ہوں حالانکہ بچے ہنسانے کے لیے ان کا حسب اوقات چہرہ ہی کافی تھا۔ اس کے برعکس چندا کا خیال تھا کہ ابا اپنی انگلی کو ربڑ تصور کرتے ہوئے موبائل سے نمبر مٹانے کی جدوجہد کرتے ہیں کوئی دیکھنے والا اگر ابا کا موبائل دیکھتا تو یقینا" چندا کے تجزیے پر یقین کرتا کہ اکثر نمبر کسی کسی جگہ سے اڑ چکے تھے۔

دوسری طرف علی جو رات دیر تک فیس بک پر ایکٹو رہنے اور گڈ نائٹ فرینڈز کا اسٹیٹس لکھنے کے تین تین گھنٹے بعد بھی آن لائن رہ کر کمنٹ کرنے اور جواب دینے کی بیماری میں بری طرح مبتلا تھا ابھی کچھ ہی دیر پہلے سویا تھا کہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل پر ہوتی بیل پر پہلے تو بے خوابی کی دائمی مریضہ کی طرح یہاں وہاں کروٹیں بدلیں اور اس آس پر کہ شاید فون کرنے والا تھک ہار کر فون بند کر دے لیٹا ہی رہا مگر خلاف توقع ایسا نہ ہونے پر...

فون کرنے والے کو رات کے اس پہر ڈسٹرب کرنے پر دل ہی دل میں چند تمغے ارسال کرنے کے بعد اس نے خود پر سے کمبل ہٹایا اور کمپیوٹر کے بالکل سامنے رکھے فون کو جھپٹا اور نسوانی آواز میں بڑی ہی نزاکت سے بولا۔

"ہیلو... اس وقت کون؟"

ابا جو اتنی دیر تک بیل جانے اور فون ریسیو نہ ہونے کی وجہ سے اب بے زاریت کا شکار ہونے لگے تھے اور فون کی بیٹری ضائع ہونے پر منی بس میں بیٹھے مسافروں کی طرح پہلو بہ پہلو بدل رہے تھے ایک دم اس قدر خوب صورت آواز سننے پر حواس باختہ ہو کر ترتیب دیے گئے تمام الفاظ الیکشن میں جیتے ہوئے

امیدوار کے وعدوں کی طرح پل بھر میں بھول گئے۔

"او جی کون؟ علیشا.....؟"

"جی ہاں میں علیشا اور آپ؟"

"او جی میں..... آپ کا اپنا۔" ابا خواہ مخواہ ہی سترہ سالہ دلہن کی طرح شرمائے۔ ان کا انداز علی کو کچھ جانا پہچانا محسوس ہو رہا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ بات کرنے کے ساتھ ساتھ بڑے ہی دھیان سے ان کی آواز بھی سن رہا تھا۔

"میرا اپنا.....؟ لیکن میرا اپنا تو صرف فیس بک اکاؤنٹ ہی ہے۔"

"او جی دراصل..... میرے پاس نا آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے۔"

"خوشخبری؟ کیا آپ اسپتال کے لیبر روم سے بات کر رہے ہیں؟" وہ چونکا۔

"او نئیں جی، میں تے اپنے دل سے بات کر رہا ہوں..... دوستی کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔" ڈرتے ڈرتے سابقہ تجربے کو ذہن میں رکھتے ہوئے ابا نے اپنے دل کی بات کی۔

"لیکن میں تو آج کل صرف دولت مند لوگوں کو ڈھونڈ رہی ہوں۔" علی نے براہ راست بات کی۔

"تلاشی کے لیے؟" ابا نے آنکھوں کو آخری حد تک سکیڑ کر ب کا نقطہ بنا ڈالا۔

"نہیں عیاشی کے لیے!"

"کیا مطلب؟" ابا نے ایک مرتبہ فون کو دیکھا اور پھر بات کی۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ بھائی کی جان بچانی ہے' عیاشی تھوڑی کرنی ہے میں نے۔"

ناک کے رستے زوردار طریقے سے سانس اوپر کھینچتے ہوئے علی نے ظاہر کیا کہ جیسے وہ رو رہا ہے اور نوجوان لڑکیوں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تو بڑے بڑوں کا دل ہمدردی میں پچھا جاتا یہ تو پھر اپنی عمر کے حوالے سے احساس کمتری کا شکار ابا تھے جن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی طرح اس لڑکی کے آنسو اپنے ہلکے بڑھے ہوئے ناخنوں میں سمولیں۔ منہ تو ان کا خود کار جذبات کے نظام کے تحت یوں بھی رونے جیسا ہو گیا تھا۔

"نہ رو دو سوہنیو' بس مجھ سے دوستی کر لو' پائی کی جان وی بچ جائے گی اور میری وی۔"

"آپ کی جان.....؟ کیوں آپ کو یرقان ہو گیا ہے؟" علی نے ان کے سامنے نہ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مکا ہوا میں رسید کیا۔ آج اسے حقیقتاً" اندازہ ہو رہا تھا کہ ہاتھ منہ دھو کر پیچھے پڑ جانے والے مردوں کے رویے سے لڑکیوں کے دل پر کیا گزرتی ہو گی۔

"او یرقان نئیں..... پر میرا دل ضرور آپ کے لیے ہلکان تے پریشان ہو گیا ہے۔"

"تو پھر دیر کس بات کی۔" علی نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی رات کے اس پہر وہ کسی مرد سے فون ٹاک کر رہا ہو گا۔

”بس آپ کی نکی جئی ہاں کی۔“ ابا نے چشم تصور سے خود کو علیشا کے کان سے لگے موبائل فون کی جگہ پایا تو اپنے آپ میں ہی سمٹ کر سکڑ سے گئے کہ یہی اب ان کی عمر کا تقاضا بھی تھا۔

”تو بس آپ میری طرف سے ہاں ہی سمجھیں۔“

”تے فیر دوستی پکی؟“ ابا نے بائیں ہاتھ کی پشت سے خوشی کے آنسو پونچھے اور پھر اپنی دکھ سکھ کی ساتھی مونچھوں کو انگشت شہادت پر بٹھا کر جھولا جھلایا۔

”پہلے قلمی دوستی تو کرلیں باقی باتیں بعد میں طے کریں گے۔“

”قلمی دوستیں؟“ ابا کے لیے یہ اصطلاح بالکل نئی تھی۔

”کیا اس میں دوست کے ساتھ مل کر قلمیں لگانی پڑتی ہیں؟“ ابا کے معصومانہ سوال پر علی نے ناگواری سے منہ بسورا۔

”جی نہیں، صرف میرے نام کے زیادہ سے زیادہ چیک لکھنے پڑتے ہیں۔“

”تہور کوئی طریقہ شریقہ نئیں ہو سکتا؟“ یہی وہ بات تھی جو علی کے ذہن میں خوشیوں کے باجے بجا گئی، لیکن بظاہر ناراضگی سے بولا۔

”بھائی کی جان بچانے کے لیے پیسے نہیں تو کیا بتاشے مانگوں لوگوں سے؟“

”معاف کرنا جی... قسمے میرا یہ مطبل نئیں تھا۔“ اپنے سے ڈبل عمر کے مرد سے شادی کرنے کا ایک کھلم کھلا فائدہ تو یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ دیگ کی کھرچن کی طرح ہمیشہ پیچھے لگے رہتے ہیں اور اس پر بھی خوش ہو کر خود کو دنیا کا خوش نصیب ترین انسان سمجھتے ہیں۔ بیگم کی نہ ناراضی برداشت کرتے ہیں نہ آوارگی... ہر صورت صلح کا پرچم بلند رکھتے ہیں ناراضی کی صورت میں بیگم سے اور آوارگی کی صورت میں بیگم کے متاثرین سے۔

راحت فتح علی خان کو اپنی عمر کے تمام مردوں کے حقوق کا علمبردار قرار دیتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ اس کے ہم عمر ہیں بلکہ اس لیے کہ اس نے ”دل تو بچہ ہے جی“ گا کر ان کے دل کے بقایا تین وال میں سے ایک میں گھر کر لیا ہے۔ باقی ایک پر بیگم کا اور آخری وال پر ان تمام کا قبضہ تھا جو بیگم بن جانے سے بال بال بچ گئی تھیں۔

”تو پھر کیا مطلب تھا؟“

”مطبل تے جو سوتھا سو تھا، پر میں پیسے بھیج دوں گا۔“ کچھ پانے کے لیے ابا کچھ کھونے پر تیار نظر آئے تھے۔

”چلیں، دیکھتے ہیں اگر ایسا ہوا تو....“

”بس جی فیر آپ مجھے دیکھنا تے میں آپ کو۔“ ابا نے خوش کن خیالات کے زیر اثر کہا۔

”میں انتظار کروں گی۔“ علی نے منہ چڑاتے ہوئے، مگر بے حد لگاوٹ سے کہا تو ابا خود کو اڑتا ہوا محسوس کرنے لگے۔

”مجھے دیکھنے کا؟“

”نہیں پیسوں کے پہنچنے کا۔“ خود پر مزید جبر نہ کرنے کے خیال سے علی نے ان کا جواب سنے بغیر فون پٹخا اور اپنی کامیاب کوشش پر ہوا میں یاہو کا نعرہ بلند کر دیا۔

”توبہ... اب آیا نا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔“ موبائل اوپر اچھال کر کیچ کرتے ہوئے وہ مسکرایا۔ اور خود سے ہی بولا۔

”ویسے کتنے چیکو ہوتے ہیں نا یہ مرد۔“

بات کرنے کے دوران ہی آئینے پر اچانک نظر پڑتے ہی آنکھیں خود آپ سے چار ہوئیں تو یاد آیا کہ کچھ بھی ہو، لیکن وہ خود بھی تو ایک مرد ہے۔ اس لیے اجتماعی رائے قائم کرنا ہرگز ٹھیک نہیں ہوگا۔ جب ہی کھسیاتے ہوئے شرمندگی سے بولا۔

”میرا مطلب ہے کہ کوئی کوئی مرد اتنے چیکو، لفنٹر اور ٹھرکی ہوتے ہیں ورنہ باقی تو سب بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔“

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

✲ ✲

فاخرہ گل

خلا سالا اور اوپر والا

چوتھی قسط

ابا اپنے بیڈ پر جانے کب سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ایسا لگتا گویا بیٹھے نہیں ہوئے بلکہ کسی نے انھیں اٹھا کر بس رکھ دیا ہے اور جب سے رکھا ہے تب سے وہ بڑی ایمان داری کے ساتھ وہیں رکھے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں ان پر کسی مہمان خصوصی کا گمان ہوتا تھا جسے سیکڑوں کے مجمع کے عین سامنے محض دس فٹ اونچائی کے اسٹیج پر بٹھا کر تھوک کے حساب سے تقاریر کی جارہی ہوں اور وہ۔۔۔ اظہار بھی مشکل ہے۔۔۔ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے مجبور ہیں اف اللہ۔۔۔ چپ رہ بھی نہیں سکتے کی تفسیر بنے بت بن گئے ہوں۔۔۔ اسی دوران چندا بڑے خوش گوار موڈ میں ان کے کمرے میں داخل تو ہوئی مگر ان کی پریشانی نے اسے بھی پریشان کر ڈالا۔

"کیا ہوا ابا؟ آپ کی طبیعت نہیں ہے ٹھیک؟" چندا کی آواز انھیں خیالات سے ہٹا کر حقیقی دنیا میں واپس کھینچ لائی تھی۔ سو چونکے تو ضرور لیکن چندا کو وجہ نہ تو بتانے والی تھی اور نہ ہی انہوں نے بتائی۔

"او نہیں پتری۔۔۔ بس ذرا ایویں ای۔"

"پر ابا مجھے تو لگتا ہے آپ ہیں بیمار۔" ٹیلی فون کے الارم کی طرح اب وہ شاید چپ نہ رہنے کا سوچ چکی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں نے کیا تے ہے کہ میں ٹھیک ہوں۔ پریشان نہ ہو۔۔۔ اور بس چھوڑ دے۔"

"ہائے ابا۔۔۔ نہ چھوڑ کر جانا مجھے۔۔۔ ابھی تو میرے نام نہیں ہوئی ترینیں۔۔۔ ابھی تو مجھے پتا ہی نہیں بینک میں رکھے زیور اور روپیوں کا۔۔۔ ابھی نہ جانا مجھے چھوڑ کر ابا۔۔۔ ابھی تو مجھے بڑی ضرورت ہے آپ کی۔۔۔" لمبا سا سانس لینے کو رکتی ہے اور پھر جملہ پورا کرتی ہے۔ "چیزوں کی۔۔۔"

بیٹھے بٹھائے چندا با آواز بلند رونے لگتی ہے اور اس کا یوں بغیر پیشگی اطلاع کے رونے سے خود ابا بھی گھبرا سے گئے تھے۔ سو فوراً "سیدھے ہو کر بیٹھے اور بڑے جلالی انداز میں اسے دیکھا۔

"چپ کر۔۔۔ میں کہتا ہوں واز بند کرا اپنی۔" ابا کی گرج چمک میں بھی بڑا دم تھا۔ چندا سہم کر تو فوراً چپ ہو چکی تھی۔

"او شکر کر۔۔۔ گورنمنٹ کو تیرے رونے کا پتا نہیں چل گیا۔"

"ورنہ۔۔۔؟"

"ورنہ وہ تیرے آنسوؤں پر بھی ٹیکس لے لیتی۔"

"لیکن ہوا کیا تھا آپ کو؟ جو یوں ایک دم اچانک چپ چاپ بیٹھے تھے کسی جعلی عامل کی طرح۔" چندا سے یہ گتھی سلجھائے نہ سلجھ رہی تھی اور اسی بات نے اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

"او پتری۔۔۔ دراصل کش روپیوں کی ضرورت پڑ گئی تھی۔"

"روپیوں کی ضرورت۔۔۔ اور آپ کو۔۔۔" اگر ابا اس وقت دن کو رات کہتے تو اس کے لیے ایک عام سی معمول کی بات ہوتی "لیکن روپیوں کی ضرورت اور وہ بھی ابا جیسے بندے کو۔۔۔ یہ امر خاصا حیران کن تھا اور اس پر تصدیق کی مہر لگائی۔ انھوں نے دھیرے دھیرے گردن ہلائی۔

"لیکن آپ بھی تو کہتے تھے ناکہ نہیں خرچ کرنے چاہییں روپے۔"

"او یہ سب ٹھیک ہے' پر میں اپنی رائے بھی تے کپڑوں کی طرح بدلتا ہوں نا۔" ابا نے کھسیا کر جواب دیا۔

"یعنی کبھی نہیں بدلتے؟"

"نہیں نہیں زادہ شیار بننے کی ضرورت نہیں میرے سامنے۔" ابا کی بات پر چندا نے ناراضی کا اظہار کرنے کے لیے منہ پھلا لیا تھا۔ اور ابا جیسے بھی تھے لیکن چندا آخر ان کی اکلوتی بیٹی تھی جس کی ناراضی برداشت کرنا ان کے لیے ایسا ہی تھا جیسا جہاز سے چھلانگ لگانا یعنی ناممکن!

"اب کیوں سکے خربوزے جیسا منہ بنا کر بیٹھ گئی ہے؟"

"میری بھلا کیا غلطی تھی؟ آپ ہو گئے ہیں اتنے پرانے تو میں سمجھی شاید آگیا ہے آخری وقت۔۔۔ اور

ناولٹ



باتیں بھی روپوں کی۔"

باقی ساری باتیں تو ایک طرف لیکن ابا کا دھیان لفظ "پرانے" سے تو آگے گیا ہی نہیں "پرانا؟ میں پرانا ہوگیا ہوں؟ او کیوں میرے اوپر کیا جالے لگ گئے ہیں؟"

"نہیں ابا در اصل۔" ابا کے چہرے کے نقوش کے ساتھ یہ دردناک تاثرات دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے کسی نے گرما گرم بریانی پر ٹھنڈا ٹھنڈا اسکوڈ ڈال دیا ہو۔ جب ہی وضاحت کرنا تو چاہی لیکن ابا سننے کے موڈ میں کم اور سنانے کے موڈ میں زیادہ پائے گئے جب ہی تو کیسی غریب نادہندہ کی بجلی کی طرح فوراً" اس کی بات کاٹ دی۔

"تجھے کیا پتا' لڑکیاں تو اب بھی مجھے دیکھنے اور میری واز سننے کی خاص کرتی ہیں۔"

"جی جی' وہ دیکھنا چاہتی ہوں گی نا کہ ہوتے تھے کیسے پرانے زمانوں کے انسان۔"

"او نئیں۔" پرجوش انداز میں ابا نے ٹانگیں سمیٹ کر آلتی پالتی ماری۔ شدت جذبات سے ان کا چہرہ ایسا لال سرخ دکھائی دیتا تھا کہ لگتا سوتے میں پشتو فلم کا گانا دیکھ لیا ہو۔

"لڑکیاں تیرے ابا سے دوستی کرنا چاہتی ہیں۔" اس ہچکولے کھاتے انکشاف سے ابا کا خیال تھا کہ چندا حیران رہ جائے گی مگر وہ پریشان ہو گئی۔ بڑی رحم بھری نظر ابا پر ڈالی اور گہری سانس لے کر یقیناً" دل ہی دل میں ان لڑکیوں کو داد دے کر بولی۔

"ہاں تو کرلیں نا دوستی' پچھتائیں گی۔"

"اچھا میری بات تے سن۔"

اکتا کر کمرے سے نکلتی چندا کو ابا نے آواز دے کر روکا تو وہ پھر سے پلٹی۔

"چل ایسا کر' غصہ تھوک دے تے آج فیر گوشت پکالے۔"

"آج پھر؟ پہلے پکایا تھا کب؟" چندا نے انہیں حاتم طائی کی قبر پر ٹانگ مارنے سے بال بال بچایا۔

"یاد نہیں رہا' چار مہینے پہلے کمیٹی کے بیٹے نے عقیقہ کا گوشت دیا تھا تے پکایا نئیں تھا؟"

"یاد ہے ابا یاد ہے۔" چندا بے زاریت سے بولی۔

"یاد ہے تے فیر جو باقی بچا تھا ناں اج فیر پکالے۔ عیش کر میری چڑی' تیرا ابا ابھی زندہ ہے۔" چندا بغیر کچھ کہے ان کی حالت پر دل ہی دل میں کڑھتی کمرے سے نکل گئی تو وہ ایک بار پھر خود سے ہم کلام ہوئے۔

"عیش کر میری چڑی تو۔ اور میں بھی اپنے عیش کا بندوبست کروں۔" فون پر پیسے بھیجنے کی جو شرط رکھی گئی تھی وہ ابا کی سوچوں کے گئی دورا آرہی تھی۔

☼ ☼ ☼

لفٹی کے جی بے لی تھی دن لفٹی بنتی جاتی ہے
ہر محبوبہ بالکل انجی بے بے بنتی جاتی ہے
تل پہ لٹو ہونے والے رہ رہ کر پچھتاتے ہیں
چھیل چھبیلی بلو' باگڑ بلی بنتی جاتی ہے

خالہ اپنے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خود کو مختلف زاویوں اور کئی دوسروں کی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ کبھی انہیں اپنا سراپا بڑی آپا جیسا لگتا تو کبھی جسامت جن قامت لگنے لگتی۔ کمرے میں گونجتا تیز میوزک تھا تو انجوائے منٹ کے لیے لیکن اس وقت انہیں وہ بھی برا لگنے لگا تھا۔

"ایک دو جگہ سے اگر میں چہرے کی سرجری کروانے کا سوچ بھی لوں مگر ان ری ایکٹرسز کو دیکھ کر ہی ڈر لگ جاتا ہے جو بے چاریاں سرجری کے بعد کھل کر قہقہہ لگانے سے بھی ڈرتی ہیں۔ صرف دل سے مسکرا ہی دیں تو بلوچستان کی زمینوں میں پڑنے والی دراڑوں کی یاد دلا دیتی ہیں۔ ہاں اگر رسمی مسکراہٹ ہو تو ان جیسا اور کوئی نہیں۔" خالہ کی خود کلامیاں جاری تھیں کہ کھلے ہوئے دروازے سے انہیں آئینے کے سامنے کھڑا دیکھ کر ضمیر بھائی اندر چلے آئے اور اپنے تئیں شرارت سے بولے۔

"سنا ہے کہ جھریوں کا جلسہ ہو رہا ہے۔"

"جھریوں کا جلسہ ہو رہا ہے تو چاچا تو کو بھی بھیجو۔"

خالہ نے بھی انہی کی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔ "خالہ میں نے چھریاں نہیں جھریاں کہا ہے۔"

"ہاں تو میں بھی تو چھریاں ہی کہہ رہی ہوں نا۔ میں نے کب جھریاں کہا؟"

"اچھا جی' چلیں جو آپ کی مرضی۔" ضمیر بھائی کندھے اچکاتے ہوئے باہر جانے کو مڑے۔ ویسے بھی خالہ کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔

"تم نے جانا ہے ضمیر تو جاؤ۔ بھلا میں کیوں چلوں؟"

"اس لیے خالہ کہ اب آپ کے تو چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے۔" وہ ہنوز مذاق کے موڈ میں تھے۔

"تم کتنے اچھے ہو ضمیر۔ بھلا پلاؤ کا وقت آگیا ہے تو پہلے بتاتے۔ کیا دم پر لگا کر آئے ہو؟"

"جی ہاں۔ اور اگر اب ایک منٹ بھی رکا تو نکل جائے گا۔" ضمیر بھائی نے لفظوں کو چباتے ہوئے چڑ کر کہا۔ مگر وہ خالہ ہی کیا جو بات کا وہی مطلب سمجھیں جو کہنے والے کا ارادہ ہو۔ سو فوراً" منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"آ۔ کیا نکل جائے گا؟"

"دم۔" ضمیر بھائی نے چیخ کر کہا اور لحہ بھر مزید رکنے کا رسک لیے بغیر باہر چلے گئے۔ خالہ نے بھی گردن جھٹکی اور پھر سے آئینے کی طرف رخ موڑا۔

"مجال ہے جو ضمیر بھی کبھی چھری تلے دم لے' ویسے علی کچھ پیسے جمع کرلے تو میں بھی اپنی فزیکس پر کچھ خرچ کروں۔"

☼ ☼ ☼

سرسری ذکر کیا تھا عشق میں مرجائے گا
اب اسے ضد ہے کہ تم مر کے دکھاؤ ہم کو

ابا نے فون پر ہر بات کرتے ہوئے یقیناً" یہ نہیں سوچا تھا کہ انہیں پہلے قدم پر ہی اپنی محبت کی قیمت ادا کرنی پڑ جائے گی تب ہی تو پاؤں پھیلاتے ہوئے چادر کیا چار دیواری تک کا دھیان نہ رہا۔ اور اب روپوں کے ہاتھ سے جانے کا سوچ سوچ کر ذہن و دل میں سوگ طاری تھا۔ سو اب بھی ذہن میں وہی سوچ لیے ادھر سے ادھر ننگے پاؤں چہل قدمی میں مصروف تھے۔ رہا سوال جوتوں کا تو انہیں ابا نے دیوار کے بالکل ساتھ کارپٹ کے اوپر پلاسٹک بچھا کر رکھ چھوڑا تھا۔ اور پھر ان جوتوں کے اوپر ایک رومال بھی ڈال دیا تھا۔ کارپٹ کے اوپر پلاسٹک کا ٹکڑا اس لیے کہ جوتوں کے رکھنے سے کارپٹ گندا نہ ہو اور جوتوں کے اوپر ننھا سا رومال اس لیے کہ ان پر کسی قسم کی گرد نہ پڑے۔

"کش سمجھ نئیں آرہا کروں تے کیا کروں۔ ویسے کڑی لگتی تے چنگی ہے' اور فیر میری تے خیر ہے چلو چندا کو ایک جوان ماں کا پیار مل جائے گا۔" کچھ دیر سوچنے سمجھنے کے بعد آخر کار وہ ایک نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔ اور پھر وہ وقت بھی آگیا جب کہ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ گہری سانسیں لے کر اپنا ذہنی توازن بحال رکھتے ہوئے الماری کے عین سامنے جا پہنچے۔

"چل دمی رانی' تیری خاطر تیری ہونے والی ماں کو پورے اک سو اکیاون روپے کا چیک کٹ دیتا ہوں۔" انہوں نے الماری کھولی تو ایک بار پھر آبا و اجداد کی یاد آگئی۔

"میرے دادے شادے ٹھیک ہی کہتے تھے کہ کش لینے کے لیے کش دینا پڑتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے دودھ لینے کے لیے پہلے اسے دیگچی دینی پڑتی ہے بھیک لینے کے لیے پہلے دعا دینی پڑتی ہے پر چلو خیر ہے۔"

ابا کے چہرے پر افسوس کے ایسے تاثرات تھے کہ انہیں رنگین چشمہ پہن کر بھی دیکھا جاتا تو زبردستی بلیک اینڈ وائٹ ہی نظر آتے۔ سو بڑے ہی مدھم طریقے سے انہوں نے الماری کے دونوں پٹ کھولے اور یوں اندر دیکھا جیسے محبت سے گلی میں عین اس وقت جھانک رہے ہوں جب کالج کی لڑکیاں صبح تروتازہ ہو کر گھروں سے نکل رہی ہوں۔ سامنے بنی تجوری کو کھول کر اس کے اندر سے کپڑے میں لپٹی کوئی چیز لا کر بیڈ پر بیٹھے اور چند لمحے اس یوں پیار سے دیکھا جیسے سامنے کوئی گھونگھٹ اٹھنے جانے کا منتظر

ہو۔ اور پھر انہی جذبات سے اس پر سے کپڑا ہٹایا۔ اندر اخبار زرد صحافت کا رنگ اپنائے زرد پڑ چکی تھی اخبار کی اندر لکڑی کا ایک مربع شکل کا ڈبا تھا جسے موم جامہ میں لپیٹا گیا تھا سو اس کے سمیت جب ابا نے ڈبا کھولا تو وہ ہمارے سرکاری خزانے کی طرح بالکل خالی ابا کا منہ چڑا رہا تھا۔

اور یہ اتنا غیر متوقع تھا کہ ابا کے رہے سہے اوسان بھی خطا تو جو ہوئے سو ہوئے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

''اوے ایہہ کی ہو گیا۔ میں تے لٹ گیا' تباہ ہو گیا' برباد ہو گیا۔''

ابا کا چہرہ ایک دم لگتا تھا جسے ان کا ہاتھ دروازے میں آ گیا ہو فوراً دہائیاں دیتے کمرے سے نکلنے ہی لگے تھے کہ کچھ یاد آنے پر پھر واپس مڑے اور لکڑی کے ڈبے کو موم جامہ میں اسی طرح میں پھر اخبار میں اور پھر کپڑے میں لپیٹ کر دوبارہ لا کر رکھا اور ایک بار پھر کرلانے کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔ اور بڑے روہانسے کرب ان اور درد ملے انداز میں گویا ہوئے۔

او میں تے ایویں ایویں ایویں ایویں لٹ گیا
او میں تے ایویں ایویں ایویں ایویں لٹ گیا

اب ان کی آواز سن کر یہ فیصلہ کرنا نہایت مشکل تھا کہ وہ اس وقت روتے ہوئے گانا گا رہے ہیں یا گانا گاتے ہوئے رو رہے ہیں۔ البتہ جو بھی تھا اس سب سے قطع نظر ان کے ایویں ایویں لٹ جانے کی اطلاع سب کو دینا تھی جو شاید ان کی آواز سے مل گئی ہو۔

☼ ☼ ☼

یہ بھیجا کس نے بھیجا اور کسے بھیجا کدھر بھیجا نہ دل بھیجا نہ سر بھیجا بس اک بھیجا ادھر بھیجا مجھے بھیجا تھا جو بھیجا بہت پڑا لقمہ بھیجا کہ میں نے خود بھی کھایا اور اس کو ہر جگہ بھیجا

خالہ نے آج اپنے لیے خاص طور مگر انفرادی طور پر بھیجا فرائی کیا تھا۔ انفرادی طور پر اس لیے کہ اس پر کوئی مائی کا لعل بری تو کیا للچائی ہوئی نظر بھی ڈالتا تو خالہ کو نظر لگ جانے کا ڈر لگ جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ آج وہ چینا کے ساتھ ٹی وی دیکھتے ہوئے رنگ برنگے کمنٹس کرنے کے بجائے چپ چاپ کھانے میں مگن تھیں۔

جب ایک دم ہی علی ان کے پاس آ کر بیٹھا اور آتے ہی خالہ کہہ کر مخاطب بھی کر دیا تو وہ ایک دم چونک گئیں۔

''آئے ہائے کیا ہے علی' کم از کم بتا کر تو بولا کرو۔''

''کیا بتایا کروں؟'' یہ عجیب ڈیمانڈ تھی کہ پہلے انہیں اطلاع دی جائے۔

''یہی کہ اب تم بولنے لگے ہو۔''

''یعنی میں پہلے گونگا تھا؟''

''او ہو' جب تک اپنے کمرے میں سو رہے تھے تب تک تو گونگے ہی تھے نا اور کیا ہم سب سوتے ہوئے گونگے بہرے اندھے نہیں ہو جاتے؟'' اپنی غلط بات کو درست ثابت کرنے کا فن بہرحال ان کے پاس تھا جس کے سب قائل تھے جب ہی علی نے مزید کوئی بحث کرنے کے چینا کی طرف رخ موڑا تو وہ باقی بعد میں کھانے کا سوچ کر برتن کچن میں رکھنے چلی گئیں۔

''آپی۔ خوش ہو جائیں' بس پیسوں کی ریل پیل ہونے والی ہے اب۔''

''کیوں تم نے کیا M.N.A کا الیکشن جیت لیا ہے؟'' ٹی وی پر بدستور نظریں جمائے چینا نے اس کی اطلاع کو نظرانداز کیا۔

''ارے میری بھولی بھالی اور پیاری سی آپی' کسی بھی قسم کا فراڈ کرنے کے لیے سیاستدان ہونا ضروری نہیں ہوتا۔''

''خبردار' فراڈ کا ایک پیسہ بھی اس گھر میں نہ آئے۔'' خالہ نے کچن سے آتے ہی کہا۔

''ڈونٹ وری خالہ' گھر میں بالکل نہیں آئے گا اس کام کے لیے بنک ہیں نا۔'' علی مسکرایا۔

''علی پوری بات بتاؤ نا' چینا کو بہت سخت بے چینی ہو رہی ہے۔''

''ارے آپی کیا بتاؤں۔ سچ اس اشتہار نے تو کارنامہ کر دکھایا ہے۔'' علی کا جوش دیدنی تھا۔

''ہائیں۔ اشتہار نے کون سا ڈرامہ کر دکھایا اب؟''

خالہ نے دماغ پر زور ڈالا۔ اور زبان منہ کے اندر گھما کر دانتوں میں رہ جانے والا ''بھیجا'' حلق کے ذریعے معدے میں بھیجا تو علی جو پہلے ہی انہیں اکیلا کھاتا دیکھ کر محض سسک کر رہ گیا تھا اب تو تڑپ ہی گیا۔

''کیوں؟ ڈرامہ بھی کھاتا ہے؟''

''ارے واہ میں کیوں اوپاما کھاؤں گی؟ آدم خور سمجھ رکھا ہے کیا؟'' وہ کلبلا گئیں۔

''او ہو میں نے یہ کب کہا۔'' علی کو اپنی بات ادھوری رہ جانے پر جو غصہ تھا ان کی نقص سماعت سے اب سرچڑھ کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یعنی میں جھوٹ بول رہی ہوں۔'' اس وقت خالہ پر ان خواتین کا عکس نظر آ رہا تھا جن کی زبان ان کے بالوں سے کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ اور کیسا اذیت ناک وقت ہوتا ہے وہ جب ہمیں ان لوگوں کو قائل کرنا پڑے جن کی ذہنی سطح ہماری سینڈل کی ہیل سے بھی کم ہوتی ہے۔

''او ہو خالہ' کیا ہو گیا ہے ایک دم' چینا نے تو ایسا کچھ بھی نہیں سنا۔''

''واہ واہ واہ۔ ارے تم پوچھو نا اس سے جو کہہ رہا ہے کہ میں اوپاما کو کھا جاؤں گی۔''

''علی۔'' چینا نے علی کو ایسی ہی تنبیہ کی تھی جیسے امریکہ کشمیر کے معاملے پر بھارت کو کیا کرتا ہے۔ یعنی سرسری سی' دکھاوے لائق۔

''یقین کریں آپی' میں نے ایسا کچھ کہا ہی نہیں ہے خالہ کو تو بس ویسے ہی۔''

''دیکھا۔ دیکھا تم نے۔ اب یہ مجھے جھوٹی کہنا چاہ رہا ہے۔'' خالہ نے الہام ظاہر کیا۔ تو چینا کے ہونٹوں پر بھی دبی دبی مسکراہٹ ابھر آئی۔

''ہاں کچھ کہہ رہا تو ہے؟''

''لیکن آپی۔''

''تم چپ رہو علی۔ جو منہ میں آتا ہے بس بولے چلے جاتے ہو۔'' اشارے سے اسے خاموش رہنے کا کہہ کر وہ خالہ کے اس قدر نزدیک ہوئی کہ اسے ان کے کھائے گئے بھیجے تک کی باس محسوس ہونے لگی۔

''فکر نہ کرو خالہ' چینا کو یقین ہے کہ تم اسے نہیں کھاؤں گی۔'' چینا نے ان کا کندھا تھپتھپایا تو وہ فوراً سے اپنے فرضی آنسو صاف کرنے لگیں۔

''تو اور کیا چینا' میں تو زیادہ پاور کی دوائی نہیں کھاتی۔ وہ تو پھر سپر پاور ہے۔''

''ہاں ہاں خالہ سب جانتی ہوں' اور ویسے بھی علی! ڈاکٹر نے خالہ کو صرف وائٹ میٹ کھانے کا کہا ہے' اس لیے اوپاما کی فکر کرنا بنتا بھی نہیں ہے' تم بتاؤ کیا کہہ رہے تھے۔''

''سلام کہہ رہا تھا آپ کو اور آپ کی ان خالہ کو۔'' غصے میں پیر پٹختا وہ اسی وقت اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

''اسٹوپڈ علی۔ کاش چینا تمہیں بدتمیز کہہ سکتی۔''

شدت جذبات سے چینا نے خالہ کے اسی کندھے پر دھمو کا جڑ دیا تھا جسے ابھی چند لمحے پہلے سہلا رہی تھیں اور تب ہی خالہ نے اسے یوں پلٹ کر دیکھا جسے ان کے جوتے پر چلتے چلتے چینا کا پاؤں آ گیا ہو۔

''خالہ یہ تھپڑ میں نے آپ کو نہیں اس بدتمیز علی کو مارا ہے۔''

''اچھا اچھا پھر ٹھیک ہے' اگر مجھے مارا ہوتا نا تو ابھی ایک کے دو مار کر بدلا لے لیتی۔'' خالہ نے سکون سے گردن ہلائی اور صوفے پر بیٹھ کر ٹی وی آن کر لیا لیکن کندھے کے اوپر ہوتی چھن چھن نے ان کے دل میں یہ احساس پختہ کر دیا تھا کہ ایک ساتھ رہنے والوں کے دکھ درد سانجھے ہوتے ہیں اور اس کی زندہ اور تازہ مثال یہ تھی کہ چینا نے غصے میں آ کر تھپڑ علی کو مارا تھا اور درد وہ محسوس کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
کل تم کو بتا دیں گے رقم کتنی بنی ہے

''او پتری کہاں ہے؟''

ابا دل ہی دل میں بے ہوش ہوتے چندا کے کمرے میں دروازہ کھول کر یوں داخل ہوئے جسے پیرا شوٹ کے ذریعے ہیلی کاپٹر سے چھلانگ لگائی ہو۔

”ابا خیر تو ہے؟ ہوا کیا؟“

”او ہو پتری! ایہہ پوچھ کہ کیا نہیں ہوا؟“ بیڈ کے کنارے ٹک کر انہوں نے سانس بحال کی ”چلیں بتا دیں یہی کہ کیا نہیں ہوا؟“

”جھلیے کدی کوئی بات سیدھی طرح بھی کرلیا کر۔“

”ابا بتا دیں جلدی سے ورنہ میں بے ہوش ہو جاؤں گی گھبراہٹ سے۔“

”او نہ نہ۔ اک ہور خرچہ نہ کرادیں ڈاکٹر کا۔ پہلے ہی میری چیک بک گم ہوگئی ہے۔“

”کیا۔ کیا کہا ابا؟ ہوگئی ہے گم چیک بک؟“ اس مرتبہ وہ بھی حیران ہوئی۔

”اسی لیے تے میں حیران پریشان تیرے پاس آیا ہوں۔ میں نے خود لسباری میں رکھی تھی پر اب نئیں ہے۔“

”لیکن آپ نے چیک بک کو کرنا کیا تھا؟“

”ہوا لگانی تھی اور کش“ وہ بے زار تھے اور چندا کو اٹھکیلیاں سوجھ رہی تھیں جب ہی چڑ کر بولے۔

”ہاں ابا۔ لگوانی بھی چاہیے تھی ہوا۔ کیونکہ اب تک تو بے چارے چیک گلے سڑے ہوں گے چیک بھی۔“

”او چیک چھپے ہوں گے نا پاگل، بنک میں رکھے نوٹ تے نئیں نا چھپے ہوں گے۔“

”چھپے نہ بھی ہوں تو ان کے اوپر سے مٹ گئے ہوں گے ہندسے۔“

وہ ابا کو ان کی لامحدود کنجوسی پر طنز کا نشانہ بنانے سے کبھی نہ چوکتی۔ مگر اس وقت ابا خود مقامات آہ و فغاں کے نکڑ پر پہنچ چکے تھے اس لیے صلح آمیز لہجے میں بولے۔

”خدا کا واسطہ ای پتری، باتیں نہ کرتے چیک بک ڈھونڈ دے۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔ میں کرتی ہوں کوشش۔“ ابا بھی اس کے ساتھ مل کر چندا کے کمرے کی ہر ممکنہ جگہ پر ڈھونڈتے ہیں کہ اسی دوران چندا کے دماغ میں ایک نیا نکتہ آتا ہے۔

”ویسے ابا ہے آپ کو یقین کہ چیک بک گم ہوئی ہے؟“

اوئے آہو پتری گم ہی ہوئی ہے اب ٹن تو ہونے سے رہی۔“

”میرا مطلب تھا ہو نہ گئی ہو چوری“ اس کے ہوئے کپڑوں کو ستیاناس کرتے ابا کے ہاتھ ایک دم رکے تھے۔

”یہ تے میں نے سوچیا وی نئیں تھا۔“

”تو سوچ لیں اب۔ اور چھوڑ دیں میری الماری کی جان“ چندا نے ان کو بازو سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا۔

”مجھے ایسا کیوں لگتا ہے جیسے آپ ہو رہے ہوں بوڑھے؟“

”شاوا شے۔ کبھی سٹھ سال کا بندہ وی بڈھا ہوتا ہے؟“

”یہ سوچ تو کسی بوڑھے کی ہو سکتی ہے۔“ چندا نے پرسوچ انداز میں کہا۔

”لے تے خیر میری ایہو ای سوچ ہے۔ تے ویسے وی میرا خیال ہے کہ ابھی تے میں سٹھ سال کا ہو گیا ہوں پر آئندہ کدی سٹھ سال کا نئیں ہونا۔“

”لیکن کیوں؟“

”بس ایویں ہی ہر کوئی بابا جی، انکل جی کہہ دیتا ہے۔“ ابا نے پاؤں ہلاتے ہوئے کہا تو چندا کی نظر بھی ان کے بغیر جوتوں کے پاؤں پر پڑی۔

”آپ ایسا کریں، فریم کروالیں جوتوں کو بھی۔“

عائشے نے گھر میں قالین اس لیے نئیں ڈلوا کے دیے کہ ان پر جوتے پہن پہن کر چلو اور گندا کرو، ضائع کر دو۔“

”جوتے پہن کر چلنے سے نہیں ہوتے قالین ضائع۔“

”پر جوتے تے ضائع ہو جاتے ہیں نا۔ جب اتنا نرم قالین پڑا ہوا ہے تے ضروری ہے کہ جوتیاں پہن کر انہیں بھی گھسا دوں۔“

”ابا یقین کریں، آپ کو تو انسان کہنے کا نہیں چاہتا دل۔“ چندا کی حالت اس بچے جیسی تھی جو ایک پسندیدہ تتلی کو بھی اس لیے چوستا رہتا ہے کہ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہوتا۔

”کیوں؟ دماغ تے نئیں کھسک گیا تیرا۔“ ابا کو فوراً اپنی عزت خطرے میں محسوس ہوئی تھی۔ اور ان کا یہ ردعمل دیکھ کر چندا آگڑ بڑا ہی تو گئی۔

”اس لیے کہ آپ تو ہیں ہی نہیں انسان۔“ ابا کی آنکھیں غصے میں مزید کھل گئیں تو اس نے فوراً وضاحت کی۔

”بلکہ آپ تو ہیں عظیم ترین انسان۔“ اور یہی وہ لمحہ تھا جب ابا کو اپنے آپ پر اور چندا پر بے تحاشا فخر محسوس ہوا۔ ویسے بھی چندا۔ اسی لیے ان کے ساتھ زیادہ سچ نہیں بولتی تھی کہ ان کے ساتھ سچ بولنے کا مطلب ان کو برا بھلا کہنا ہوتا۔

”تیری ان ہی کھری تے خوب صورت باتوں نے کش دیر کے لیے ہی سہی پر چیک بک کا غم کھڈے لائن لگا دیا ہے۔ صدقے جاؤں جیوندی رہو پتری۔“ ان کا مزاج بحال ہونے پر چندا بھی مسکرائی تھی بالکل اسی طرح جیسے ہماری نیوز کاسٹرز بم دھماکوں کی خبر کے فوراً بعد اگلی خبر شروع کرتے ہی مسکرا دیتی ہیں اور ایسا ہلکا سا مسکراتی ہیں کہ بندہ تذبذب کا شکار ہو جائے کہ آخر اس کے پس پردہ کیا اور وجہ جو بھی ہو بھلی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ہماری قوم کو ہر چمکنے والی چیز سونا اور ہر مسکرانے والی لڑکی سوہنی لگتی ہے۔

☼ ☼ ☼

چینا، خالہ اور علی لان میں بیٹھے ضمیر کا انتظار کر رہے تھے کہ کب وہ اپنے کلینک نما حجرے سے باہر نکلے۔ مگر لگتا تھا کہ آج خدا نے ان کی سن لی تھی، جب ہی تو وہ اتنے مصروف تھے اور اب تک کلینک میں ہی موجود تھے، ورنہ تو اس وقت تک وہ ان کے بیچوں بیچ ٹھنڈے ٹھار موسم میں شیر بنے بیٹھے ہوتے۔

”آج ہم کتنے دنوں بعد لان میں آکر اتنے سکون سے بیٹھے ہوئے ہیں نا لگ رہا ہے جیسے حکومت کا کوئی اعلا سطحی اجلاس ہو رہا ہے۔“

موبائل فون پر جھکے علی نے جب چینا اور خالہ کو مستقل گھورتے ہوئے پایا تو چونک گیا اور سوچا کہ کوئی بات کی جائے۔ ورنہ اس کا ارادہ آج ان سب لوگوں کو اپنی فیس بک پروفائل سے ان فرینڈ کرنے کا تھا جو صرف ایڈ ہونے کے بعد جانے کہاں لحاف اوڑھے سو جاتے ہیں، نہ کمنٹ نہ لائک۔ بس اسی لیے آج وہ چھانٹی کرنے کے موڈ میں تو تھا، لیکن ان دونوں کی باریک بین نظروں کے باعث یوں ہی سی بات کر ڈالی اور خالہ تو جیسے چند فارغ تجزیہ نگاروں کی طرح اسی انتظار میں تھیں کہ کہیں کوئی بات سنیں اور اس پر اپنا تجزیہ دیں۔

”تو اور کیا ان سطحی اجلاسوں نے تو 67 سالوں میں ملک کو یہاں تک لا پہنچایا ہے۔“

”ہائیں... کیا ہمارا ملک بھی کہیں پہنچ گیا ہے۔“ چینا چونکی۔

”آپ بے فکر رہیں آپی۔ ہمارے ملک کو چلانے والے ہی اتنے پہنچے ہوئے ملتے ہیں کہ ملک کو کہیں پہنچنے ہی نہیں دیتے۔“

”اچھا چھوڑو... آج تو بتا دو وہ تمہارا پیسے جمع کرنے والا آئیڈیا کہاں تک پہنچا؟“ چینا کو یاد آیا تو علی ذرا اتراتے ہوئے پہلے تو ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھا، پھر پہلے خالہ اور اس کے بعد اوپر چندا والے پورشن کی بالکونی کو دیکھ کر بولا۔

”کیا بتاؤں... بس اتنا سمجھ لیں کہ اب ہم لوگوں سے پیسوں کے ساتھ ساتھ انتقام بھی لے سکیں گے۔“

”واہ علی... چینا کو نہیں پتا تھا کہ تم میں سیاست دانوں والی سوچ ہے۔“ اتنی سی بات تھی اور شاید ابھی خالہ یا علی میں سے کوئی جواب بھی عرض کرتا، کیونکہ ”تکرار ہاؤس“ میں کسی بھی بات کا فٹ سے جواب نہ آنا اس بات کی نشانی تھا کہ گھر والے سو رہے ہیں۔ دوسری کسی بھی صورت میں ایسا ممکن نہ تھا۔ لیکن ابا کی بالکونی میں سے برآمد ہوتی آواز انہیں چونکا گئی۔

”اوئے اٹ سے اٹ بجادوں گا... دیکھنا ذرا۔“

”گانا میں گاؤں گا اور بجائے گا آپ... لیکن بینڈ کا نام کیا رکھیں گے؟“ علی نے ان کی دھمکی ہوا میں

اڑائی ہے جس پر وہ مزید چراغ پا سے نظر آنے لگے۔

"فکر نہ کر کاکے۔۔۔ تجھے تو لگ پتا جائے گا۔" ابا کا رنگ غصے میں اس اداکارہ جیسا ہو گیا تھا جو زبان سے زیادہ اپنی آنکھوں سے باتیں کرنے میں نام رکھتی ہیں۔ لیکن ان کی قسمت کہ کوئی بھی ان کی دھمکی کو سیریز لینے پر تیار نہ تھا۔ ان سب کا خیال تھا کہ دنیا میں رزق کی طرح ہر بندے کے حصے کے بے وقوف مقدر ہیں اور شاید ابا جی اسے کوٹے کو پورا کرنے کے لیے تحرار ہاؤس میں تشریف لائے ہیں اور وہ تمام لوگ جنہیں اب تک اپنے حصے کے بے وقوفوں سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا ہو۔ ہرگز دل چھوٹا نہ کریں کیونکہ اس کا سادہ سا مطلب ہے کہ وہی اپنے ارد گرد والوں کا حصہ ہیں۔

"اچھا۔۔۔ تفصیل نہ سہی، چینا کو پرومو ہی دکھا دیں کہ ہوا کیا ہے۔"

"اوئے۔۔۔ میری چیک بک چوری کر کے تم لوگ سمجھتے ہو کہ بڑا عیش کر لو گے؟ پر میں نیش کرنے دوں گا۔۔۔ نہ عیش تے نہ کیش۔"

"ارے واہ۔۔۔ ہم کیسے کیش کر لیں گے، بنک میں سائن کرنا پڑتے ہیں۔" خالہ نے انہیں غلط ثابت کرنا چاہا، لیکن ناکام رہیں۔

"اوئے ہوئے ہوئے۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ تم لوگ بنک سے ہو کر آ بھی گئے ہو؟" ابا کو لگے جیسے ان کا اِی پی ملک میں بارروزگار افراد کے گراف کی طرح آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا ہے۔

"ارے نہیں۔۔۔ ہم تو صبح سے گھر سے نکلے ہی نہیں، یہ خالہ تو بس۔۔۔" علی نے خالہ کو گھورا، مگر ابا اس وقت کسی کی بھی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھے۔ اس لیے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"دیکھ لوں گا سب کو ایک ایک کر کے۔"

"ایک ایک کر کے۔۔۔" خالہ کو اس پر بھی اعتراض تھا۔

"ہم کوئی ریمپ پر ماڈلنگ کر رہے ہیں کیا جو ایک ایک کر کے دیکھو گے۔" چینا کی وہ تمام کوششیں بے کار جا رہی تھیں جو وہ خالہ کی زبان بندی کے لیے اشاروں میں کر رہی تھی۔

"خالہ۔۔۔ کتنی دیر سے چینا تمہیں اشارے کر رہی تھی، مگر تم۔۔۔" ابا کے منظر سے غائب ہو جانے کے بعد چینا بے حد غصے میں بولی۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ تم مجھے اشاروں سے کچھ سمجھا رہی ہو۔۔۔ میں تو سمجھی، مجھے غصے میں دیکھ کر ہنسانے کی کوششیں کر رہی ہو اور تم خود بتاؤ میں پھر بھی نہیں ہنسی کہ کہیں وہ کچھ اور ہی نہ سمجھ لیں؟"

"واہ خالہ۔۔۔ ایک تو اتنا بڑا الزام وہ ہم پہ لگائے گئے ہیں۔ اگر آپ آپی کا اشارہ سمجھ جاتیں تو کچھ ڈھنگ سے بات ہو سکتی تھی۔"

"اشارے تو سمجھو تم یا یہ تمہاری بہن چینا۔۔۔ مجھے ان آنکھوں کے اشاروں کی کیا سمجھ، کبھی کیے ہوں تب نا۔" چینا نے بڑے افسوس سے علی کو دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

"کالج بھی عین پولیس اسٹیشن کے سامنے ہوا کرتا تھا۔ وہاں بھی کسی کو جرات نہیں ہوتی تھی کہ مجھ جیسی سیدھی سادی لڑکی کو گیٹ پہ آکر کچھ اشارے بازی کی پریکٹس کروا جاتا۔ یہ ہماری پولیس ہی ذمہ دار ہے، بلکہ میں تو کہتی ہوں مجھے اشارہ بازی سمجھ نہ آنے کی ساری ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔"

"ہونہہ۔۔۔ کہیں کی مٹی کہیں کا روڑا، بان متی نے کنبہ جوڑا۔" چینا نے ناگواری سے کہا اور اٹھ کر ضمیر کے کلینک کی طرف کا رخ کیا، تاکہ اسے اس تازہ ترین خبر سے آگاہ کرے۔ علی البتہ وہیں پیر پسارے ایک مرتبہ پھر لاگ ان ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر اور ڈاکوؤں کی گولیوں کے فرق کی
ایک لمبی داستان ہے، کیا بتاؤں کیا ہوا

ڈاکوؤں کی گولیاں کھا کر تو بچ نکلا تھا وہ
ڈاکٹر کی گولیاں کھا کر بے چارہ چل بسا

"اچھا بھئی۔۔۔ یہ بتاؤ کس چیز کی دوا لینی ہے؟" ضمیر بھائی نے مریض کی ظاہری اوقات جانچنے کے بعد سوال کیا۔

"پتا نہیں جی۔۔۔ مجھے تو خود کچھ اپنی سمجھ نہیں آ رہی کہ کس چیز کی دوا لوں؟" وہ بے بسی سے بولا۔

"ہوں۔۔۔ سگریٹ پیتے ہو؟"

"جی ہاں ایسا کریں تھوڑا گولڈ لیف منگوا لیں؟" مریض شاید کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہونا چاہتا تھا۔ مگر اس کا یہ انداز ضمیر بھائی کو بالکل نہیں بھایا تھا کہ وہ ان کے کلینک کو ہوٹل سمجھنے پر تلا ہوا تھا۔

"کیا محسوس کرتے ہو؟ میرا مطلب ہے ایسا کیا احساس تھا جو تم نے دوا لینے کا سوچا۔"

"جناب کیا بتاؤں، بیوی کے سامنے کچھ بولا ہی نہیں جاتا، لگتا ہے جیسے گلے میں لقمہ پھنس گیا ہو اور یہ ہی نہیں، بلکہ وہ غصے میں ہو تو یہ کم بخت گردن جھٹ سے نیچے گر کر اس کے سامنے جھکی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بڑا عاجز آ گیا ہوں میں تو اس مسئلے سے، کوئی حل ہو تو خدارا بتائیں۔"

"کب سے ہو رہا ہے ایسا؟" ضمیر نے پر سوچ انداز میں پوچھا۔

"شادی کے فوراً بعد سے۔۔۔"

"اور دن میں کن اوقات میں یہ علامات زیادہ ظاہر ہوتی ہیں؟"

"بستر سے اٹھتے ہی اور بستر پر دوبارہ جانے تک۔" ضمیر بھائی کچھ دیر بیٹھ کر اس بندے کا نفسیاتی معائنہ کیا اور سامنے والے کے چہرے پہ تیرتی مسکینی کو جانا پہچانا محسوس کرتے ہوئے نتیجے پر پہنچ گئے۔

"دراصل تم کسی بھی بیماری کا شکار نہیں ہوئے، بلکہ اس بیوی نما بیماری نے تمہارا شکار کر لیا ہے۔"

"بیوی نما بیماری؟" اس کا حیران ہونا بنتا تھا۔

"تو اور کیا۔۔۔ یار تم جیسے شوہروں نے ہی تو ساری شوہر برادری کو ڈبو دیا ہے۔ بلکہ تم جیسے مرد تو قسم سے شوہر کے نام پر بٹہ ہیں بٹہ۔" ضمیر نے اسٹیتھو اسکوپ اپنے کانوں سے لگا کر پھر ارادہ ملتوی کر دیا اور بولے۔

"منہ کھولو۔"

لیکن مریض یقینی طور پر اس کی باتوں کو دل پر لے چکا تھا۔ اس لیے ناراض بچوں کی طرح بیٹھا رہا۔

"او یار منہ کھولو، میں تمہاری بیوی نہیں ہوں کہ ڈر رہے ہو۔" اتنا کہنا تھا کہ مریض نے ایک جھٹکے سے اپنا منہ آخری حد تک کھول دیا۔

"بس بس، میں نے منہ کے اندر تھوڑی جانا ہے۔ باہر ہی بیٹھ کر چیک کروں گا۔" اور اس سے پہلے کہ وہ اس کی زبان کے ہونے نہ ہونے کی یقین دہانی کرتے، چینا باہر سے ہی اسے آوازیں دیتی اندر آ گئی۔

"ضمیر۔۔۔ کتنی دیر سے چینا بلا رہی ہے، لیکن لگتا ہے یا تو گلا خراب ہو گیا ہے یا لقمہ پھنس گیا ہے۔" حرف بہ حرف مریض جیسی علامات چینا نے خود اس کے لیے بھی گنوائیں تو وہ شرمندگی سے لال ہو گئے۔ یوں بھی چینا آپی جب بھی کلینک آتیں، نارمل گفتگو بھی ایسے کرتیں گویا ڈانٹ رہی ہوں۔

"اب منہ میں پان دبائے بیٹھے ہو کیا، چینا کی کسی بات کا جواب تو دو۔" اور اس سے پہلے کہ ضمیر بھائی چینا کی کسی بھی بات کا جواب اپنی ذمہ داری پر دینے لگتے۔ چینا کی نظر سامنے بیٹھے مریض پر پڑی جو بڑے ذوق و شوق سے چینا کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔

"مر گئے ہو کیا جو آنکھیں بند نہیں ہو رہیں۔"

"میڈم! دیکھنے کے اوقات جو آپ نے باہر لکھ رکھے ہیں۔ اس میں تو جی بھر کر دیکھ لینے دیں نا، صبح نو سے بارہ اور شام پانچ سے دس؟" اس بندے نے یقیناً "کلینک کو ڈیوٹی فری سمجھ لیا تھا اور یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ چینا فری ڈیوٹی دے رہی ہے۔

"ضمیر۔۔۔ لوگ تمہاری عزت پر حملہ کر رہے ہیں اور تم چپ چاپ وزیر دفاع بنے بیٹھے ہو۔" جواب میں ضمیر بھائی تو کچھ نہیں بولے، البتہ مریض کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"ایسے لوگوں کو وزیر دفاع نہیں وزیر دفعہ کہتے ہیں۔۔۔ شوہروں کے نام پر بٹہ۔۔۔ ہونہہ۔۔۔" اور تب

ضمیر بھائی کو محسوس ہوا کہ جانے۔" جھجکی گردن اور فیس بک پر ضائع کیے گئے وقت کا خیال ہمیشہ بعد میں ہی آتا ہے۔ سو مریض کو جاتا دیکھ کر اس سے فیس بھی طلب نہ کر سکے کہ چینا سامنے ہی موجود تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ مریض کے سامنے ان کی چینا سے مزید عزت افزائی ہو۔

"ضمیر۔ الو بھی اپنی بیوی کے سامنے ہمیشہ سر اٹھا کر بات کرتا ہے۔ اور تم۔" چینا کو ضمیر کے میسنے روپ نے بڑا ہرٹ کیا تھا۔ "سمجھا کرو نا چینا! اس لیے تو سب اسے الو کہتے ہیں۔" ضمیر بھائی نے سلو موشن میں گردن اوپر کی۔

"تمہاری ان ہی حرکتوں کی وجہ سے آج چینا کو یہ دن دیکھنا پڑا۔ کاش چینا تمہیں تھرڈ کلاس کہہ سکتی؟" چینا نے بڑے روہانسے انداز میں کہا اور یوں پاؤں پٹختی ہوئی گئی جیسے تیئس مارچ کی پریڈ ہو رہی ہو۔

☼ ☼ ☼

ایک ٹینشن ختم تو اور ہزار۔۔۔
پہلے تو ٹینشن تھی کہ اس ٹیلی فون والی حسینہ کو رقم بھیجنا تھی اور وہ بھی پورے ایک سو اکیاون روپے اور اب غم یہ تھا کہ وہ نمبر ہی پیوستہ نہ رہا تھا جس سے بہار کی امید کی جا سکتی کہ نہ رہی تھی چیک بک اور نہ بچے تھے پیسے۔۔۔ سو ابا نے سوچا کہ ایسا نہ ہو ہاتھ آیا رشتہ نکل جائے اس لیے اسے بتا دینا چاہیے کہ کچھ مسئلے مسائل ختم ہوتے ہی وہ اسے رقم بھیج دیں گے۔

سو اپنی اسی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہوں نے اپنے تکیے کے غلاف سے سنبھال کر رکھی گئی اخبار اور شاپر میں لپٹ کر محفوظ کیا گیا موبائل نکالا اور نمبر ڈائل کرنے کے ساتھ ساتھ بڑی پریشانی سے کمرے میں یہاں وہاں ٹہلنے لگے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اسپتال میں ڈلیوری روم کے باہر ٹہل رہے ہوں۔
لیکن ایک' دو' تین ٹیلی فون کی لمبی لمبی بیلز انہیں اکتاہٹ کا شکار کر رہی تھیں۔
"وکٹری یہ دی کوئی فضول خرچ ہی لگتی ہے او بھلا بندہ ٹیلی فون کی بیل ہی چھوٹی کروا لیتا ہے۔ تو وا تو وا اتنی لمبی بیل ہے کہ سی این جی کی لین کی طرح ختم ہی نہیں ہو رہی۔"

ایک تو انہیں چندا کے بھی آ جانے کا خطرہ تھا۔ اوپر سے فون ریسیو نہیں ہو رہا تھا۔ سو ان کا دل چاہا کہ بس غصے میں اور کچھ نہیں تو دیوار میں سر دے ماریں۔۔۔ اپنا نہیں اس لڑکی کا جسے وہ اب تک جانے کیا سمجھ بیٹھے تھے اور وہ تو فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ اسے گھر کا سربراہ تک بنا دیں گے اور اس کی حیثیت اور اختیارات میں صدر پاکستان کے برابر ہونے کا بھی خاص خیال رکھیں گے۔ کیونکہ یہ حقیقت بھی ان سے چھپی ہوئی نہیں تھی کہ ہر وہ شوہر گھر کا طاقت ور ترین سربراہ کہلاتا ہے جو گھر کے تمام اہم فیصلے اپنی بیوی کو کرنے دے۔ بچوں کے ہونے نہ ہونے سے لے کر اپنی بچوں کی شادیوں تک۔

☼ ☼ ☼

پھول ہی پھول کھلاتا ہے سر شاخ وجود
اور خوشبو کو مسلسل نہیں ہونے دیتا

عالم ذات میں درویش بنا دیتا ہے
عشق انسان کو پاگل نہیں ہونے دیتا

جب سے اتنا خوب صورت شعر علی کی نظروں سے گزرا تھا۔ اس نے سب گھر والوں کو با آواز بلند کہہ دیا تھا کہ ہر انسان کو زندگی میں ایک مرتبہ عشق ضرور کرنا چاہیے' کیونکہ یہ عشق ہی ہے جو آدمی کو انسان بناتا ہے اور پھر اسی انسان کو پاگل پن سے بھی بچائے رکھتا ہے اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں پچاس فیصد لوگ کسی نہ کسی کے عشق میں ضرور مبتلا ہوتے ہیں۔ باقی پچاس فیصد اس کے سائیڈ ایفیکٹ بھگت رہے ہوتے ہیں اور اس وقت بھی "ٹکرار ہاؤس" کے مکین سائیڈ ایفیکٹ ہی بھگت رہے تھے' لیکن عشق کے نہیں' بلکہ کرایہ داروں کے جو ان کے سر پر موٹر سائیکل پر بیٹھے چوتھے شخص کی طرح سوار ہو گئے تھے

اور جب سے انہوں نے چوری کا الزام لگایا تھا انہیں تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ اسی پریشانی کے عالم میں وہ سب بیٹھے کچھ سوچ بچار کر رہے تھے کہ چینا کے سامنے رکھے علی کے موبائل پر بیل ہونے لگی۔ ضمیر بھائی نے ایک نظر فون کو دیکھا اور پھر چینا سے مخاطب ہوئے۔

"علی ابھی آتا ہو گا' تم اسے اٹھا لو۔"

"چینا' علی کو اٹھا لے؟ ضمیر کاش چینا تمہیں عقل سے فارغ کہہ سکتی۔۔۔ یعنی حد ہو گئی۔" چینا نے بڑے اہتمام اور دھوم دھام سے برا منایا۔

"علی کو اٹھانے کا کس پاگل نے کہا ہے' میں تو اس کا فون اٹھانے کا کہہ رہا ہوں۔" وضاحتی بیان آیا۔

"علی کو اٹھانے کا چینا نے کہا ہے' دیکھ لو چینا ضمیر تمہیں پاگل کہہ رہا ہے۔۔۔ ہاں بھئی میاں' بیوی کو ایک دوسرے سے بہتر بھلا کون جان سکتا ہے۔" خالہ نے چینا کو اطلاع دی تھی کہ شاید اسے پتا نہ چلا ہو اور واقعی اسے پتا ہی نہیں چلا کب اس کی بے عزتی ہوئی۔ ویسے بھی شادی شدہ خواتین و حضرات کو چھوٹی موٹی باتوں پر اتنی بے عزتی محسوس نہیں ہوتی' جتنی غیر شادی شدہ لوگوں کو ہوتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ کثرت سے مہیا ہونے والی ہر چیز اپنی اہمیت کھو دیتی ہے۔

"ضمیر فون علی کا ہے تو آخر چینا کیوں اٹھائے؟"

"فون علی کا ہے' مگر وہ بھائی کس کا ہے؟"

"چینا کا۔۔۔"

"تو پھر فون کس کا ہوا؟"

"علی کا!"

"او میرے خدا' یار اگر علی تمہارا بھائی ہے تو پھر فون بھی تمہارا ہی ہوا نا۔" ضمیر بھائی کی مثال اس کہانی کو جیسی تھی جس نے پوری رات کہانی سننے کے بعد پوچھا تھا کہ ہیر آدمی تھا یا عورت۔

"اچھا چلو۔۔۔ اگر تم اس میں خوش ہو تو چینا مان لیتی ہے کہ فون بھی چینا کا ہے اب۔"

"تو پھر کیا تمہیں آواز نہیں آ رہی اس کی بیل کی؟"

عین اسی وقت فون کرنے والے نے ہمت ہار کر فون بند کر دیا۔

"نہیں۔۔۔ لگتا ہے تمہارے کان بج رہے ہیں ضمیر۔" اور یہ ہی نہیں ہمیشہ ضمیر بھائی کی قسمت ایسے ہی موقعوں پر ان کا ساتھ چھوڑ دیتی تھی۔ جب انہیں اس کے ساتھ کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی اور تب انہوں نے بڑی شدت سے دعا کی تھی کہ کم از کم ایک بار رونگ نمبر ہی سہی' لیکن کسی کی کال آئے' نہ آنا تھا' نہ آیا۔۔۔ البتہ فون کی جگہ علی ضرور آ گیا تھا اور اب حیرت سے سامنے رکھے فون کو اٹھا کر بولا۔

یہ فون یہاں کیا کر رہا ہے؟

"تمہارا ہے نا؟" ضمیر بھائی نے تصدیق چاہی۔

"نہیں۔۔۔ یہ تو عاشق انکل کا ہے۔" علی کے انداز میں لاپروائی سرکاری عہدیداران کو مات دے رہی تھی۔ "ہر وقت کہتے رہتے تھے کہ تم لوگ میرا فون نہیں اٹھاتے' میں گیا اور ان کا فون اٹھا لایا۔"

"دیکھا ضمیر۔۔۔ چینا کا بھائی کتنا عقل مند ہے۔" فخریہ انداز میں چینا نے کریڈٹ لینا چاہا۔

"ہاں۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سو فیصد تم پر ہی گیا ہے۔" ضمیر بھائی نے لفظ چباتے ہوئے طنز کیا۔

"یہ سب چھوڑو۔۔۔ لیکن دیکھو انہیں طعنے کا جواب ہم نے دینا تھا اور وہ پھر سے طعنہ بھی مار گئے۔ ساتھ الزام بھی لگا گئے۔" اس سے پہلے کہ علی انہیں حوصلہ تسلی دیتا' ایک بار پھر فون کی بیل بجنے لگی تھی' مگر اس دفعہ فون علی کا تھا' سو وہ ایک نظر ان تینوں کو دیکھتے ہوئے اوپر کی پورشن کی طرف متوجہ ہوا اور فون لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ضمیر بھائی' چینا اور خالہ سب ہی سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے وہیں کھڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

ہم دوا دارو نہیں دیتے' دعا دیتے ہیں بس
اچھوں اچھوں کو یقین آتا ہے پھنس جانے کے بعد

"او جی ستاؤ... کی حال اے سوہنیو۔" ابا شیرہ ٹپکاتے لہجے میں علی کے کانوں میں سیسہ انڈیل رہے تھے کہ جو بات علی کے مطلب کی تھی اور جس مقصد کے لیے انہیں پھنسایا گیا تھا وہ تو اب تک حل نہیں ہو رہا تھا اور جس طرح بے صبرے دولہا سے قاضی صاحب کا طویل خطبہ نکاح برداشت نہیں ہوتا بالکل اسی طرح علی سے بھی اب ان کی مفت بات چیت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"کیا بتاؤں... بھائی کی طبیعت خراب ہی ہے۔"

"ویسے آپ کا بھائی ریل گڈی میں تے پیدا نہیں ہوا تھا۔" فون کرتے ہی بھائی کے ذکر نے ابا کو ایسا بدمزا کیا تھا جیسے حلیم میں ہڈی نکل آئی ہو۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"او جی مطلب یہ ہے کہ ریلوے سے بڑا ملتا جلتا ہے۔ چوبیس گھنٹے بارہ مہینے خراب کی ہی خبر آتی ہے۔"

"ایسی بات کرنے سے پہلے آپ کو سوچنا چاہیے تھا کہ کس سے کر رہے ہیں۔" علی کے انداز میں دبا دبا غصہ تھا۔

"نہیں جی... سچی بات کرنے سے پہلے سوچن لگ جاؤ تاں تے فیر بات کرنے کی ہمت نہیں رہتی۔"

"نہیں بھی... اب ایسی باتیں کر کے بور نہ کریں۔" علی نے نخرہ دکھایا تو ان کے بھی گویا سارے سوچ آن ہو گئے۔

"تاں تے فیر تسی دس دیو سوہنیو کہ کون سی باتوں میں خوشی مسوس کرو گے؟"

"نوٹوں کی' روپوں کی... ابھی تک ایک بھی چیک نہیں بھیجا' کیسے بڑے وہ ہیں آپ۔"

اور تب ابا کو یوں ہی لگا جیسے فون کے دوسری طرف موجود حسینہ کے گھر کی زمین بھی چھت سے شروع ہوتی ہو گی' لیکن پھر خود ہی لاحول پڑھ ڈالی۔

"او آہو جی... وہ دراصل..."

"لوگ تو دل و جان ہتھیلی پر لیے کھڑے ہیں۔ لیکن میں چاہ رہی تھی کہ آپ سے ہی بات آگے بڑھے۔ دراصل جو فیلنگز آپ سے بات کرنے میں ہوتی ہیں نا... وہ کسی اور کے ساتھ محسوس ہی نہیں ہوتیں۔"

اور تب ابا کو اپنے دل پر جو چھریاں چلتی محسوس ہوئی تھیں اس کا اندازہ وہی لگا سکتے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ چیک بک چرانے والے کو من بھر کی گالیاں سنائیں' تاکہ اس کی آنے والی نسلوں میں بھی کوئی بندہ کسی ایسے وقت میں چیک بک چوری نہ کرے' جبکہ اگلا عشق و عاشقی کی سب سے اوپری سیڑھی پر موجود ہو۔ اب گالیاں دینے کی خواہش کرنے والے ابا کو یہ کون سمجھاتا کہ گالی دینے والے مرد اور جگالی کرنے والے جانور میں سے اگر چار ٹانگوں کا فرق نکال دیا جائے تو انہیں با آسانی ایک ہی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

"ہائے میں مر جاواں ہوا کھا کے... آپ کو کیا پتا میرے نال کیا تے کش ہو گیا ہے..." ابا نے سسکی لینے کی کوشش میں غلطی سے ڈکار مارا اور بغیر شرمندہ ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"پر دیکھو کسی کا دل کر وہ نہ لے لینا۔

میں راستے میں ہوں' بس آ رہا ہوں۔"

کسی اور کی دلہن نہ بن جانا' ستنڈ ریلا
میرا انتظار کرنا' ستنڈ ریلا

مختلف فلمیں' ڈرامے اور جلسے دیکھ کر ابا کو بھی اب اتنا تو اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ کسی کے بھی دل میں گھر کرنے اور اپنی حمایت حاصل کرنے کے لیے اب گانا بجانا' میوزک کس قدر اہم ہے۔ جب ہی شرماتے لجاتے ہوئے بات کرتے کرتے بغیر بتائے ہی گنگنانے لگے تو علی نے چشم تصور میں انہیں آدمیوں کی لو منتخب رشماں قرار دیتے ہوئے سوچا کہ ابا کی آواز سے بہتا درد چیک بک کی چوری سے کہیں زیادہ اس ادھورے رومانس کا تھا جو فی الحال تصورات کی دنیا ابا کے زیر سایہ پالا پوسا جا رہا ہے۔

"انتظار تو کروں' مگر کب تک... آخر میرا بھائی..." علی نے خوب صورت نسوانی آواز پر جذبات کا غلاف چڑھایا تو انہوں نے فوراً" بات کاٹ دی۔

"او کولی مارو... میرا مطلب ہے کولی رونا بھائی کو تے اسے آرام آ جائے گا... پر دراصل میری چیک بک

ہمارے ہمسایوں نے چوری کر لی ہے۔"

"ہمسایوں نے؟" علی نے حیرت سے کہا۔

"مگر وہ سب تو بہت اچھے ہیں۔" بے ساختہ ہی علی کے منہ سے چھینک کی طرح برآمد ہوتے الفاظ نے لمحہ بھر کے لیے ابا کو چونکایا۔

"اچھے ہیں؟ کیوں وہ سب آپ کا باتھ روم صاف کرتے ہیں؟"

"نہیں' نہیں... میرا یہ مطلب تھا کہ ہمسائے تو اچھے ہوتے ہیں' لیکن انہوں نے تو آپ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ بھلا کیسے ہمسائے ہوئے۔"

"بس جی میرے ہمسائے بھی ایسے ہی ہیں جیسے پاکستان کے ہیں... دینے کے لیے ان کے پاس صرف اور صرف ٹینشن ہوتی ہے ہور کش نئیں... حالانکہ میں نے تے آتے ساتھ ہی بڑے پیار کا چھوٹا سا پیغام بڑی عید سے پہلے اور چھوٹی عید کے بعد براہ راست خود دیا تھا... پر وہ تے اس قابل ہی نئیں تھے۔"

"اچھا تو اب میں سمجھی کہ آپ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو موبائل پر آئی لو یو کا میسج لکھ کر اسے Send to all کر دیتے ہیں۔" علی نے بھی جوابی وار کیا' جو حسب توقع وہ برداشت نہ کر سکے۔ یوں بھی بڑی عمر کے مردوں سے محبت کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ تلخ سے تلخ بات کو بھی برداشت کر کے ہنستے مسکراتے ہوئے اس پھل کا انتظار کیا کرتے جس کا وعدہ صبر کرنے کے بعد دینے کا ہوتا ہے۔ اس عمر میں بندہ محبت کی بس ایک نظر سے ہی سیر ہو جاتا ہے' جبکہ دوسری صورت میں سیر بھر محبت سے بھی بندے کی نظر بس نہیں ہوتی۔

"آ... ہائے توبہ کریں' میں نے تے آج تک کسی کو میسج پر آئی لو یو نہیں کیا۔ سب کو ان کے منہ پر ہی کہا اور پھر منہ کی کھا کر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن..."

"او جی تسی فکر نہ کرو... میں پلیس میں ان سب کے خلاف رپٹ لکھوانے لگا ہوں... ورنہ پیار سے تے یہ لوگ چیک بک کیا رستہ وی نہیں دیتے۔"

"نہیں نہیں ایسا نہ کرنا..." علی نے چاہا کہ انہیں روک لے' مگر تاکا ہی ہوئی۔

"دیکھیے گا جی... کیسے مال برآمد کراتا ہوں ان سے... اور فیر ہم دونوں کا ملنا زیادہ دور نہیں۔"

"ہاں نزدیک تو ہم ویسے بھی بہت ہیں۔" ممکنہ خطرے کے پیش نظر علی کی آواز مدھم پڑ گئی تھی جب ہی رب رکھا کہنے کے بعد جب دونوں اطراف سے فون بند ہوئے تو علی کی نسوانی آواز ابا کے کانوں میں ایسے دوڑ رہی تھی جیسے فٹ بال گراؤنڈ میں بال... ہر طرف "ہائے اوئے صدقے جاواں نزدیک سمجھتی ہے مجھے۔ مر جاواں غصہ کھا کے جلدی سے جلدی میں اس حسینہ کو دیکھ لوں تے میری وی زندگی آسان ہو جائے۔"

ٹیلی فون پر لڑکی کا گمان کیسے ابا کے دل میں اس کے لیے اتنی محبت بھر گئی تھی کہ اپنی صحت کے پیش نظر انہوں نے بس وہیں تک ہی بریک لگا دی کہ کہیں حد سے نہ بڑھ جائے۔ یوں بھی ان کا ماننا تو یہ تھا کہ محبوبہ کی زبان کا حدود اربع جتنا مختصر ہو محبت کا رقبہ اتنا ہی وسیع و عریض ہوتا ہے۔ اس کے برعکس محبوبہ کی زبان کا حدود اربع وسیع ہونے لگے تو پھر محبت کا رقبہ نہیں کتبہ ملا پا جاتا ہے کہ مرد خود چاہے جتنا ہی باتونی اور اکھڑ ہو' لڑکی اسے ہاں میں سرہلاتے رہنے والی ہی اچھی لگتی ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات یہی لڑکی اگر بیوی بن جائے تو ہاں میں سرہلاتے رہنے کا کام شوہر کو سونپ دیتی ہے اور بات بات پر جوتا اتار لینے والا بندہ دوسروں کے سامنے زیادہ سے زیادہ جرابیں اتارنے کو ہی بڑی پہلوانی خیال کرتا ہے۔ یوں بھی ابا کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا کہ جہاں پریشر ککر کو صرف اس لیے کچن میں نہیں رکھا گیا تھا کہ وہاں خواتین کام کرتی ہیں اور یہ سیٹیاں بجاتا ہے۔ خواتین کا اس حد تک خیال رکھنے والے خاندان کے ہونہار سپوت ابا اگر ان روایات سے روگردانی کرتے تو یقیناً" اسلاف کی روح کو تکلیف پہنچتی۔ اس لیے انہوں نے بھی اپنے تمام حقوق و فرائض اس نئی آنے والی کے لیے نام لکھ دیے

تھے۔

☼ ☼ ☼

آج کل موسم ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے سکون ہی تھا اور اسی سکون کو انجوائے کرتی چندا ابھی گاؤں میں اپنی سہیلی سے باتیں کرکے فون بند کرکے اٹھی ہی تھی کہ دوبارہ بیل ہوئی اور اس کے ہیلو کہنے اور ابا کی آمد کے ساتھ ہی کال منقطع بھی ہو گئی۔

"کیوں پتری 'کس کا فون تھا؟"

"پتا نہیں ابا کون ہے۔ صرف فون پر ہی کرتا رہتا ہے تنگ۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"نئیں تے تیرا کیا مطلب ہے کہ تیرے سامنے آکے تنگ کرے۔" "او ہو ابا۔ آپ تو۔" چندا نے یوں بے دلی سے کہا۔ جیسے کھانے میں سے باسی کی بساند آئی ہو۔

"نئیں تے تیرا کیا خیال ہے 'میں پاگل ہوں۔" ابا کا سر ابلتے پانی کی کیتلی کے ڈھکن کی طرح آہستہ آہستہ ہلنے لگا تھا اور یہ اس بات کی پہلی علامت تھی کہ انہیں غصہ آرہا ہے۔

"ارے نہیں ابا مجھے تو ہے یقین۔"

"یعنی میں پاگل ہوں؟"

"نئیں۔ میں بھلا ایسا سوچ سکتی ہوں کیسے۔" چندا نے فوراً "مصالحتی جھنڈا" لہرا کر انہیں ٹھنڈا کیا' تو وہ اٹھ کر کسی کو فون ملانے لگے 'مگر ایسے کہ نمبر ملاتے ہی کاٹ دیتے اور یہ ہی عمل۔ انہوں نے تین' چار مرتبہ دہرایا تو چندا پوچھ ہی بیٹھی۔

"ابا۔ آپ اس وقت ٹیلی فون کے ساتھ کھیل رہے ہیں کون سا کھیل؟"

"اوئے۔ کھیل نہیں رہا' میں تے پلیس اسٹیشن پر مس کالیں مار رہا ہوں۔"

"مس کالیں وہ بھی پولیس اسٹیشن پر؟"

"تے ہور کی۔" ابا کھلے دل سے ہنسے اور یوں ہنسے کہ چندا کو لگا گیس کے چھوٹے چھوٹے سلنڈر ایک ساتھ پھٹ گئے ہوں۔

"پلیس کو چیک بک کی رپٹ لکھوانے کے لیے بلانا ہے نا۔ تاکہ آکر موقع واردات بھی دیکھ لیں۔" چندا ان کی باتوں کے جواب میں یوں چپ چاپ کھڑی تھی کہ لگتا ہوم ورک نہ کر آنے کے بعد استاد کے سامنے کھڑی ہو۔ چپ چاپ اور خاموش 'ابا البتہ مکمل جوش سے باتوں میں مصروف تھے۔ جب چینا نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"ویسے ابا کیا وہ آجائیں گے ایک مس کال پر؟"

"آہو۔ کیوں نئیں آئیں گے 'اور خاص کر اس وقت جب ایک دوسرے سے کہیں گے کہ "مس" کال آئی تھی تے فیر دیکھیں سب نمبر دیکھتے ہی دوڑیں گے۔" ابا کچھ زیادہ ہی خوش فہم ہو رہے تھے۔

"ہاں بس اللہ کرے۔ مل جائے چیک بک۔" چندا نے اتنے جذب سے دعا کی تھی کہ ابا کو شک سا ہوا۔

"آہو پتری بس دعا کریں۔ پر تو نے کیا کرنی ہے چیک بک؟"

ابا دراصل وہ۔ لڑکی تھی نا۔ نام اس کا نہیں رہا یاد۔" چندا نے ذہن پر زور ڈالا 'مگر ابا اس سے پہلے ہی بول پڑے۔

"علیشا۔ علیشا نام ہے اس اخبار والی لڑکی کا۔"

ابا جس بے تابی سے بولے تھے اس پر وہ خود ہی یوں شرمندہ ہوئے کہ چہرہ سرخ پڑ گیا اور پھر انداز سرسری سا بناتے ہوئے بولے۔ "مجھے شک ہے کوئی لیشا 'لوشا جیسا ہی نام تھا شید۔" ابا کا انداز چندا کو چونکا گیا تھا۔ "ہاں ویسے شک تو ہے مجھے بھی یہی۔"

"تے اپنے پر شک کرنی ہے؟" ابا کی حالت ایسی تھی کہ جیسے کسی کے گھر بجلی کا کنڈا لگاتے ہوئے پکڑے گئے ہوں۔

"نہیں' شک تو مجھے اس پر ہے۔ جس کا نام لیشا۔ لوشا بتایا ہے آپ نے۔"

"اوئے کس کا نام۔ یہ ہے کون؟"

"وہی ابا۔ جس کی میں کرنا چاہتی ہوں مدد۔ اور جس سے مل کر میں دینا چاہتی ہوں اسے کچھ روپے۔"

"اچھا۔ چل ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' چیک بک مل گئی تے دیں دئیں تو دی کش پانچ دس روپے' خوش؟"

"جی ابا بہت خوش۔" چندا مسکرائی تو ابا نے بھی خطرہ ٹل جانے پر یوں گہرا سانس لیا' جیسے علیشا کا نہیں بلکہ ان کے سر سے نیلوفر کا خطرہ ٹل گیا ہو۔

ادھر جھپٹنے' ادھر پلٹنے اسے جکڑا اسے پکڑا لہو کو گرم رکھنے کے بہانے ہیں اڑانوں میں ہر اک لڑکی نظر آتی ہے ان کو فاختہ جیسی عقابی روح جب بے دار ہوتی ہے جوانوں میں

گھر میں پولیس کے آجانے کے ممکنہ خطرے کے پیش نظر کتنی سخت ٹینشن چل رہی ہے۔ اس تمام معاملے اور مسئلے سے بے خبر علی بڑے آرام سے صوفے پر بیٹھا موبائل فون ہاتھ میں لیتے ہوئے فیس بک پر لاگ ان ہو رہا تھا۔ جس طرح ہر دور میں مختلف ڈرگس نوجوان نسل میں مقبول ہو کر انہیں غیر محسوس طریقے سے تباہ کرتی رہی ہیں' بالکل اسی طرح آج کل کے دور کی سب سے مشہور ڈرگ کا نام ہی فیس بک ہے جو ایک اچھے بھلے انسان کو تنہائی پسند بنا دیتی ہے۔ دوسرے صورت میں وہ ہجوم میں بھی خود کو تنہا کرلیتا ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ آج ملک کے ستر فیصد نوجوان کمر درد میں مبتلا ہیں۔ باقی تیس فیصد کے پاس ابھی انٹرنیٹ کی سہولت نہیں ہے۔ ورنہ وہ بھی اب تک کمر درد کے کئی اسباب میں چیپ جانے مبتلا ہو چکے ہوتے۔

ایسا ہوتا ہے نا کہ آپ کے فرینڈز میں ایڈ کوئی بندہ ایک دم ہی انگڑائی لے کر جاگ جاتا ہے اور پھر آپ کی وال پر موجود ہر پوسٹ کے ساتھ چیک پوسٹ جیسا سلوک کرنے لگتا ہے اور جس کا نتیجہ تھوک کے حساب سے موجود نوٹیفکیشنز کے ساتھ آپ ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ ہی کچھ آج علی کے ساتھ بھی ہوا تھا' سو اس نے بڑے غصے سے آؤ دیکھا نہ تاؤ' اسے فرینڈز لسٹ میں سے ہی نکال باہر پھینکے کہ یہ وہی کم بخت تھے جو اس کے کئی مرتبہ کہنے پر بھی اس کا بنایا گیا پیج لائک کرنے پر ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے اور تب علی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ وہ لڑکے جنہیں گھر میں

دوسری مرتبہ مانگنے پر سالن نہیں ملتا اور وہ لڑکیاں جن کے ذمہ گھر میں ہاتھ روم دھونے کا کام ہوتا ہے۔ پیج لائک کرنے کا کہو تو ایسا سمجھتے ہیں کہ انہیں ایک کلک کرنے نہیں' بلکہ نکاح نامہ سائن کرنے کو کہا جا رہا ہے۔

اور لڑکیوں کے تو کیا ہی کہنے' پہلے مختلف کارٹون سینڈ کرکے اوٹ پٹانگے جواب دیتی رہیں گی اور پھر ایک دم ہی انہیں یاد آتا ہے کہ میں تو لڑکوں سے چیٹنگ ہی نہیں کرتی اور یہ کہ مجھے ایسے لڑکے نہیں پسند جو لڑکیوں سے زیادہ فری ہونے کی کوشش کریں۔ اس پر اگر کوئی جانباز آگے سے یہ لکھ دے کہ باجی آپ غلط سمجھ رہی ہیں' میں تو آپ کو بہن کی طرح بات کر رہا تھا۔ بس یہ میسج آخری ثابت ہوتا ہے اور لڑکی اسے اپنی بے حرمتی خیال کرکے نہ صرف ڈیلیٹ بلکہ بلاک بھی کر دیتی ہے اور تین دن تک آئینے سے ہی پوچھتے پائی جاتی ہے کہ مائی گاڈ۔ کیا میں بغیر دیکھے بھی بہن جی ٹائپ لگتی ہوں۔

دوسری طرف علی کی ٹائپ کے لڑکے تو جیسے ہوتے ہی اس انتظار میں ہیں کہ ادھر کوئی لڑکی ان کا کمنٹ کسی بھی پیج یا گروپ پر لائک کرے اور وہ فٹ سے اسے فرینڈز ریکویسٹ بھیجیں۔ ہر بنتے ہو جانے والا سچا پیار انہیں کا علامتی نشان ہے۔ اب چاہے کسی بے چاری سے انجانے میں لائک پر کلک ہو گیا ہو' لیکن انجانے میں بھی سرزد ہونے والے اس عمل کو وہ دل پر لے لیتے ہیں اور صبح شام ہاتھ روم جائیں نہ جائیں لڑکیوں کو السلام علیکم 'گڈ مارننگ' شب بخیر' سلام صبح اور اس کے بعد سلام محبت تک کہنا اپنا آئینی و قانونی حق سمجھتے ہیں۔ ایسے لڑکے گھر والوں کے سامنے اس طرح کا منہ بنائے رکھتے ہیں کہ گھر کے بڑے انہیں نصیحت کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ پہلے ہی بے چارہ اتنا سیدھا ہے' کہیں اپنے بھولپن میں مارا ہی نہ جائے۔ اگر کسی طریقے سے خدا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے دے کر فون نمبر تک بھی رسائی ہو جائے تو بات کرنے سے دو دن پہلے ہی پیاز کھانا چھوڑ

دیتے ہیں۔۔۔ محبت کا اظہار ایسے کرتے ہیں جیسے کراچی شہر میں لوگ چوریاں کرتے ہیں۔ یعنی دھڑلے سے اور روزانہ کی بنیاد پر۔

مگر اس سب کے باوجود آخر کار ان کی اس خواب سے آنکھ کھل جاتی ہے اور غصے اور مایوسی میں خود کو کمرے میں بند کر لیتے ہیں۔ کیونکہ خود نہ کریں تو ان کی حالت دیکھ کر دوسروں کو کرنا پڑے اور پھر ان کا فیس بک پر ایسا آنا جانا ہوتا ہے کہ اسٹیٹس لگا کر کمنٹس اور لائکس کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، جیسے آج کل مالٹوں کی ریڑھی والا گاہک کے انتظار میں بیٹھتا ہے۔

سو علی نے بھی اسٹیٹس اپ لوڈ کیا ہی تھا کہ چینا اور خالہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے ٹرین کے ڈبوں کی طرح لاؤنج میں داخل ہوئیں اور خالہ نے علی کو دیکھتے ہی سوال داغ دیا۔

"ضمیر کہاں ہے؟"

"بک گیا۔۔۔" علی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو چینا کو اس کا یوں مسکرانا اچھا نہیں لگا۔ "کاش چینا تمہیں فنی کہہ سکتی۔"

"واقعی چینا مجھے خود لگتا ہے اس میں تمہاری امی کی طرف سے کوئی فنی خرابی رہ گئی ہے۔"

"اوہو۔۔۔ مجھے تو سمجھ نہیں آرہا ہے کہ آپ لوگ گھبرا کیوں رہے ہیں۔" علی بولا۔

"مگر پولیس گھر پر آ بھی گئی تو خیر ہے۔۔۔ کیا ہو جائے گا؟"

"علی یہ بات تو کسی جاہل سے بھی پوچھو تا تو وہ بھی تمہیں بتا دے گا۔" "آپی اسی لیے تو آپ سے پوچھ رہا ہوں۔"

"علی۔۔۔ چینا تمہیں جاہل لگتی ہے کیا؟" چینا کو یوں آزادانہ انسلٹ کی علی سے توقع نہیں تھی۔

"ہاں چینا ویسے پچھلے کچھ دنوں سے تو مجھے بھی تم کاہل کاہل سی محسوس ہو رہی ہو۔ لیکن چھوڑو یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔"

"ہاں خالہ۔۔۔ صحیح یاد دلایا' یہ وقت تو میرا آن لائن ہونے کا ہے۔" اور اس سے پہلے کہ علی اپنے کمرے کی طرف مڑتا ضمیر بھائی کے تاثرات نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا کہ آتے ہی جو بیان انہوں نے دیا وہ بھی خاصا عجیب تھا۔

"بس۔۔۔ یہ ہی۔۔۔ یہ ہی ایک وجہ ہے کہ مجھے بچے اچھے لگتے ہیں اور وہ یہ کہ ان کے بیوی' بچے نہیں ہوتے' گھر میں سالا نہیں ہوتا۔ ٹینشن فری لائف گزارتے ہیں۔" کلینک کی چابی انہوں نے چینا کو یوں دی جیسے گرفتاری دے رہے ہوں' بڑی ہی بددلی سے۔

"یعنی گھر والے تمہیں ٹینشن دے رہے ہیں ضمیر؟" چینا نے اتنے پیار سے بات کی کہ ضمیر کو لگا ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی۔ مگر خالہ کی آواز نے یہ خیال دیر تک قائم نہ رہنے دیا۔ "پینشن بھی دے لینا' پہلے چیک بک کا تو سوچو۔"

"خالہ! چینا نے ٹینشن کہا تھا۔"

"ہاں تو پینشن لینا بھی تو ٹینشن سے کم نہیں ہے نا۔۔۔ قطار میں کھڑے کھڑے اگلے مہینے کی بھی پینشن آجاتی ہے۔" حسب معمول خالہ کو سکون تب ملا جب وہ خود کو درست ثابت کر چکیں اور ان کی ان ہی خوبیوں کو سامنے رکھتے ہوئے اکثر چینا سوچتی کہ اس کا وہ کون سا گناہ ہے' جس کی پاداش میں خالہ اب تک کسی کی بھی بیوی بننے سے بال بال بچی ہوئی ہیں۔

"باتیں چھوڑیں اور اب ذرا چیک بک بھی ڈھونڈ لیں۔" علی نے اصل مسئلہ یاد دلایا۔

"لیکن چینا نے تو کہیں نہیں چھپائی۔۔۔ اس لیے جیسے گئی ہے ویسے ہی آئے گی۔"

"چینا۔۔۔" ضمیر بھائی نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔ "شادی کے بعد ہی کم از کم بندہ عقل مند ہو جاتا ہے' لیکن تم تو۔۔۔"

"لیکن ضمیر' بعد میں ہونے کا بھلا کیا فائدہ۔۔۔ شادی Undo تھوڑی ہو سکتی ہے۔"

"چیک بک نہ ملی تو ہمیں پیسے دینے پڑیں گے۔ یاد رکھیں یہ بات۔" علی نے پھر الارم بجایا۔

"تمہارا دماغ' نیت اور نظر تو ویسے ہی خراب ہے'

لیکن بندہ کم از کم کوشش کر کے سوچ ہی اچھا لیتا ہے۔" ضمیر بھائی نے اسے مولانا بن کر کسی گناہ گار کی طرح ٹریٹ کیا تھا اور تب وہ خود کو چیلنج کر کے کچھ سوچنے لگا اور جلد ہی چٹکی بجا کر تینوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ "کیوں نا' میں اوپر جا کر چندا سے ہی مدد مانگوں؟"

"چندا سے مدد؟ کیوں وہ ایدھی کی ایمبولینس چلاتی ہے۔" وہ اب تک چڑے ہوئے تھے۔

"وہ اپنے ابا سے کیس نہ کرنے کا تو کہہ سکتی ہے نا۔" علی نے وضاحت کی تو چینا نے بڑے فخر سے اسے دیکھا۔

"دیکھا ضمیر۔۔۔ چینا کا بھائی کتنا جینئس ہے۔"

"ہاں چھپا لو۔۔۔ نظر نہ لگ جائے۔" انہوں نے نصیحت کی طرح بے زاری سے سنا اور جواب دیا۔ علی ان کے کسی بھی مزید اقدام کا انتظار کیے بغیر اوپر کو جاتی سیڑھیوں کی طرف چڑھا تو خالہ بھی اس کے پیچھے لپکیں۔

"رکو علی۔۔۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

"نہیں خالہ' تم کیا کرو گی جا کر۔۔۔ یہیں رہو۔" علی نے جان چھڑائی۔

"میں بس تمہارے پیچھے کھڑی رہوں گی۔" اپنا مطلب ہوتا تو خالہ کا لہجہ سزائے موت کے قیدی جیسا ہو جایا کرتا تھا۔ چہرے پر بھی وقت نزع محسوس ہوتا کہ شاید اسی طرح بات بن جائے۔ اور یہ ہی وہ موقع تھا جب ضمیر بھائی کو محسوس ہوا کہ یہ علی کو تپانے کا آئیڈیل وقت ہے سو جھٹ سے بولے۔

"علی۔۔۔ خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں' کیونکہ ہو سکتا ہے چندا گھر میں اکیلی ہو۔ اس لیے تمہیں تو ہم کبھی بھی اکیلا نہیں جانے دیں گے؟" ضمیر بھائی کی بات پر حسب توقع وہ چڑ گیا تھا۔

"ہر بندے کو اپنی طرح کا مت سمجھا کریں۔ ہر بندہ آپ کی طرح کا نہیں ہوتا کہ جہاں کوئی لڑکی دیکھی جھٹ سے اپنے ڈاکٹر ہونے کی اطلاع دے دی کہ کوئی تو چھوٹی موٹی بیماری ہو گی ہی۔"

"ہر بندہ میری طرح نہیں ہوتا نا اسی لیے تو تمہیں اکیلا نہیں بھیجیں گے' کیوں چینا؟ خالہ تم خود بتاؤ' کیونکہ چینا کو تو کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ تمہارا پیچھے کھڑے رہنے کا آخر مقصد کیا ہے۔" ضمیر بھائی نے گیند چینا کے کورٹ میں پھینک دی تھی۔ ادھر علی کا ایک پاؤں اوپری سیڑھی پر اور دوسرا نچلی پر تھا۔ لگتا جوتے پہن کر پالش کروا رہا ہے۔

"چینا۔۔۔ کیا تم نہیں جانتی کہ ہر کامیاب کے پیچھے ایک عورت ہے؟ بس اسی لیے میں بھی علی کو کامیاب مرد کے طور پر دیکھنا چاہتی ہوں۔" چینا کو ان کی بات دل پر لگی تھی۔ جب ہی یوں متواتر تائید میں سر ہلایا' جیسے بس میں بیٹھی ہوں اور بس کسی ناہموار سڑک پر ہچکولے لے رہی ہو۔ "ہونہہ۔۔۔ یاد رکھیے گا ہر ناکام مرد کے پیچھے دو عورتیں ہوتی ہیں۔" علی نے بڑے غصے میں کہا۔ ضمیر بھائی نے اپنی جیت کی خوشی میں مسکراتے ہوئے چینا کو دیکھا تو انہیں محسوس ہوا کہ جس انداز میں وہ آگے بڑھ کر کھڑے ہیں۔ چینا اور خالہ دونوں ان کے پیچھے ہیں' سو علی کی بات کے تناظر میں جہاں تھے' جیسے تھے' وہیں بیٹھ گئے۔

"ضمیر کیا ہوا؟ چکر آگیا' بی پی لو ہو رہا ہے یا۔۔۔" چینا کے تشویش بھرے سوالات کا ان کے پاس اس وقت کوئی بھی جواب نہیں تھا۔ صرف اس لیے کہ ابھی تازہ تازہ انسلٹ کا خمار برقرار تھا۔ ورنہ تو عام حالات میں وہ ان مرد حضرات میں سے ہرگز نہیں تھے جو اپنی بیوی کے دو چار سوالوں پر ہی ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں اور یہ ہی سوال اگر کوئی اور خاتون پوچھ لیں تو علم و فضل کے وہ دریا بہاتے ہیں کہ پوچھنے والی کی طبیعت ہو جائے' مگر یہ بتا بتا کر نہ تھکیں۔ جب ہی چینا نے بھی انہیں کچھ دیر کے لیے تنہا چھوڑنا بہتر سمجھا۔

☼ ☼ ☼

جب حسب تسلی نہ ملا قافیہ کوئی
پھر کام چلایا ہے فقط خانہ پری سے

کرتا ہے خوشامد بھی بڑے رعب سے انور
مکھن نمکی لگائے تو لگتا ہے چھری سے

دل ہی دل میں چندا سے کیے جانے والے ممکنہ مکالموں اور خوب صورت جملوں کو دہراتے ہوئے جب علی خالہ کی زیر نگرانی چندا کے پورشن تک پہنچا تو اتفاق سے وہ لاؤنج میں ہی موجود تھی اور انہیں یوں بریکنگ نیوز کی طرح اچانک دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ارے آپ لوگ کیسے آئے گھر ہمارے۔"

"سیڑھیوں سے۔۔۔ ویسے عاشق انکل سے کہا تو ہے کہ لفٹ لگوا دیں' کیونکہ اب تو دونوں گھروں میں آنا جانا لگا ہی رہے گا نا۔" علی نے مسکراتے ہوئے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"اوہ۔۔۔ لیکن کیوں؟ کہتی ہوں میں کہ خیر تو ہے' ایسا کیا ہو گیا؟" وہ اب تک سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"بس چندا خیر ہی تو نہیں ہے۔" علی کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے ان دونوں میں بڑی گہری دوستی بڑے عرصے سے چلی آ رہی ہو اور یہ ہی بات چندا کو زیادہ حیران کر رہی تھی۔

"تمہارا پیر نہ ہو علی' میرا تو ہے' بلکہ دونوں ہیں۔" خالہ کی باتوں کو وہ صرف اس لیے نظر انداز کرنے کا ارادہ کر کے آیا تھا کہ چندا کے سامنے معاملات مزید خراب نہ ہو جائیں۔ جب ہی ان کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے چندا کے ذرا سا نزدیک آکر پوچھا۔

"چندا ویسے تمہارے ابا ہیں؟"

"نہیں تو میں اکیلی ہوں۔" چندا نے جواب دیا تو علی خود کو روک نہ پایا اور با آواز بلند بولا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" اور یقیناً" یہ پہلا موقع ہو گا جب کسی نے اتنی خوشی سے یہ الفاظ ادا کیے ہوں۔ چندا اس کی بات سمجھ کر غصے میں آگئی تھی۔

"شرم نہیں آتی کرتے ہوئے ایسی باتیں؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے تو ویسی باتیں کرتے شرم آتی ہے۔" علی نے شرمانے کی بھونڈی اداکاری کی۔

"کمال ہے' یعنی ساری دنیا جانتی ہے کہ میرے ابا ہیں حیات اور تم۔۔۔"

"اور کیا علی۔۔۔ اس کے ابا کے واہیات ہونے کے بارے میں تو ساری دنیا جانتی ہے تم مجھ سے یہ ہی پوچھ لیتے بھلا۔ ساری بات تفصیل سے بتا دیتی۔" خالہ کے نقص سماعت نے اپنا آپ ظاہر کیا۔

"کمال ہے۔۔۔ یعنی آپ لوگ آئے ہیں یہاں ہماری بے عزتی کرنے؟"

"نہیں۔۔۔ وہ تو ہم گھر پر بھی کر رہے تھے۔ یہاں تو ہم ایک بات کرنے آئے تھے کہ۔۔۔" علی کی بات کو جانے کیوں خالہ نے موضوع سے ہٹتا محسوس کیا یا شاید اس کی آنکھوں سے کوئی تحریر پڑھی کہ فوراً" سے اسے کہنی مار کر سیدھی طرح بات کرنے کا اشارہ آنکھوں سے کیا۔

"اچھا۔۔۔ سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے ابا اس دنیا میں کہاں پر ہیں؟" علی نے اپنا سوال واضح کیا۔

"ابا چیک بک ڈھونڈنے گئے ہیں' کیوں ہے کوئی مسئلہ؟"

"تو گھر میں ہی سرچ آپریشن کرتے نا بھلا باہر کیوں گئے؟" خالہ نے پوچھا۔ "اس لیے کہ گھر میں بجلی جلانے کا بل آتا ہے۔ اس لیے ڈھونڈ رہے ہیں سورج کی روشنی میں۔۔۔" بات کرنے کے دوران چندا نے لمحہ بھر رک کر دونوں کو دیکھا اور پھر ان کی یادداشت واپس لانے کی کوشش کی۔

"میں یاد دلا دوں کہ آپ دونوں آئے تھے کسی کام سے۔"

"تمہارا کوئی بھی کام ہو چندا' میرے سر آنکھوں پر۔" علی نے پھر سے پٹڑی سے اترنا چاہا۔

"لیکن سر تو سب کا آنکھوں پر ہی ہوتا ہے۔" چندا نے نیا نقطہ نکال لیا تھا۔

"سب کہاں۔۔۔ آج کل کے لڑکے تو سر ہاتھوں میں لیے پھرتے ہیں۔" چندا نے حیرت سے خالہ کی وہ بات سمجھنے کی کوشش کی جو خود خالہ نے بھی شاید نا سمجھی میں کر دی تھی۔ "خالہ سر نہیں دل ہاتھوں میں لیے پھرتے ہیں۔" علی نے دونوں کی مشکل آسان کی۔

"آپ دونوں نے آپس میں ہی باتیں کرنی ہیں تو

کریں اپنے گھر جا کر۔" "نہیں' نہیں چندا' وہ دراصل تمہارے ابا سمجھتے ہیں کہ ان کی چیک بک ہم نے چوری کی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔" علی بات کرتے کرتے منمنانے لگا تھا۔

"ہو سکتا ہے سمجھ رہے ہوں ٹھیک۔۔۔" چندا نے اپنے ابا کی سائیڈ لی۔

"ویسے تم ہماری مدد نہیں کرو گی؟"

"پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی۔۔۔ اور میں ہرگز نہیں ہوں پولیس میں۔" چندا نے صاف جواب دے کر انہیں اب چلتے جان کا اشارہ کیا تو بڑے ہی بے آبرو ہو کر اس کے کوچے سے وہ نکلے۔

☼ ☼ ☼

"علی۔۔۔ علی۔۔۔ اب آ بھی جاؤ نا کہاں ہو؟" چینا نے کچن کی کھڑکی سے سر نکال کر علی کو پکارا تو وہ فوراً" بیرونی گیٹ سے لان اور پھر لاؤنج سے ہوتا ہوا کچن میں آگیا۔

"آپی میں باہر گیا تھا۔۔۔ فقیر کہہ رہا تھا اللہ کے نام پر کچھ دے دو' باہر ابا کی سائیکل کھڑی تھی۔ میں نے بٹھا کر جھولا دے دیا۔"

"خدا کا واسطہ ہے ابا کی کسی چیز کو بھی مت چھیڑا کرو' پہلے ہی ہم سب چینا سمیت پھنس گئے ہیں۔" چینا نے ٹیبل پر کھانا لگاتے ہوئے کہا۔ جس پر علی نے بھی تائید میں گردن ہلائی اور گلاس میں پانی ڈال کر پینے سے پہلے ہی اسے غور سے دیکھ کر بولا۔

"آپی دیکھیں تو ذرا۔۔۔ آج کل میرا خیال ہے پانی صاف نہیں آ رہا۔ اس لیے برف کو دھو اور ابال کر استعمال کیا کریں۔" علی کی بات پر ڈونگے میں سالن ڈالتی چینا چونکی۔

"وہ اچھا کیا بتا دیا علی۔ چینا دودھ والے کو بھی میسج کر دیتی ہے کہ پانی ملانے سے پہلے ابال لے۔" کھانے کا وقت تھا اور اب سب کو کچن میں ہی جمع ہونا تھا۔ اس لیے خالہ اور ضمیر تقریباً" ایک ساتھ ہی داخل ہوئے اور اپنی اپنی کرسیاں دراز کھولنے کے انداز میں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"چینا بھئی کیا ہے آج لنچ میں؟" خالہ نے منہ میں آئے پانی کو نگلتے ہوئے پوچھا تو ہلکا سا جواب آیا۔

"دوپہر کا کھانا۔"

"چلو شکر ہے آج لنچ میں دوپہر کا کھانا ہے' ورنہ کل بھی تم نے غلطی سے دوپہر کو ڈنر کروا دیا تھا۔ پکی رات بھر بھوک لگتی رہی۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے اس بڈھے کھوسٹ ابا نے بدلا لینے کے لیے وہ چیک بک ہمارے ہی گھر میں کہیں چھپا دی ہو۔" ضمیر بھائی جو اتنی دیر سے خاموش تھے آخر بولے۔

"نہیں ضمیر بھائی' گھر میں نہیں ہے۔۔۔ کیونکہ میں نے تو آپ کے والٹ تک میں ڈھونڈی مگر کہیں نہیں ملی۔" علی نے پانی پی کر گلاس ٹیبل پر رکھا۔

"اچھا تو میرے والٹ سے پیسے تم نے نکالے ہیں؟" علی یقیناً" ضمیر بھائی کے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ مگر چینا اسے بچانے کو میدان میں کود پڑی اور گڑبڑاتے ہوئے بولی۔ "نہیں ضمیر' ہو سکتا ہے چینا نے نکالے ہوں۔"

"بالکل نہیں ہو سکتا' کیونکہ اس میں ابھی کچھ پیسے بچے ہوئے بھی تھے۔" ان کے پاس موجود پکے ثبوت نے علی کو شرمندہ سا کر دیا تھا۔

"علی تم تو کہہ رہے تھے کہ ان کے طعنے کا جواب دو گے۔ پڑ گئے نا لینے کے دینے۔" خالہ نے مسکراتے ہوئے اس پر پھبتی کسی تھی اور وہ جو پہلے ہی کھسیاہٹ کا شکار تھا دھیرے سے بولا۔ "ہاں تو مجھے کیا پتا تھا کہ وہ اوور ٹیک کر جائیں گے۔"

"ہاں تو اوور ٹیک کوئی بتا کر بھی کرتا ہے کیا؟" خالہ نے ہونہہ کے انداز میں گردن کو جھٹکا دیا۔ "ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ہم خود پہلے پولیس اسٹیشن پہنچ جائیں تو۔۔۔"

"واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ ضمیر تم پولیس اسٹیشن جا رہے ہو؟" خالہ کا جذبہ قابل فکر تھا۔ جب ہی علی بولا۔ "جوش تو دیکھیں جیسے پولیس اسٹیشن نہیں خلائی

اسٹیشن جارہے ہیں۔"

"ہاں ویسے خالہ علی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اس میں اتنا خوش ہونے والی کوئی بات تو چینا کو بھی سمجھ نہیں آئی۔"

"مجھے پولیس اسٹیشن دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ بلکہ بچپن سے ہی شوق ہے۔" خالہ نے بتایا۔

"خالہ میں پولیس اسٹیشن کی بات کررہا تھا۔ زو کی نہیں۔" ضمیر بھائی پہلے ہی اکتائے ہوئے تھے۔

"اوہو... لیکن تھوڑا سا ہی فرق ہوتا ہے نا کہ زو میں نقصان پہنچانے والے پنجرے کی سلاخوں پر ہوتے ہیں اور پولیس اسٹیشن میں عہدے پر۔"

"خالہ کم از کم بندہ جمعے کے جمعے ہی دماغ استعمال کرلیتا ہے۔ کچھ لوگوں کی وجہ سے سب کو رگڑا کیوں دے رہی ہو۔" علی نے حیرت انگیز طور پر کام کی بات کی تھی جو خالہ کو سمجھ نہیں آئی۔ "اوہو... سیدھے لفظوں میں مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا ہے؟"

"وہ جو پہلے تم نے کبھی نہیں کیا۔" چینا بھی کرسی پر بیٹھی اور سانس ڈالتے ہوئے بولی۔

"آرام..."

"نہیں کام..."

"تم نے مجھے کام والی سمجھ رکھا ہے چینا؟"

"کاش چینا تمہیں کام والی ماسی کہہ سکتی۔" خالہ نے کھا جانے والی نظروں سے چینا کو دیکھا تو اسے فوراً ہی ایک وضاحتی بیان جاری کرنا پڑا۔ "کاش کہہ سکتی... مگر کہا تو نہیں نا۔" اور تب خالہ کی خوشی کا عالم وہی تھا جو جھڑکیاں کھا کر خیرات لینے والے فقیر کا ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

فقط اس آس پر بیٹھی رہی رفعت کی ماں برسوں
کہ بیٹی کے لیے اونچا سا اک پیغام آجائے

نہ شاہیں زیرِ دام آیا تو اس حد تک اتر آئیں
کوئی موچی، کوئی دھوبی، کوئی حجام آجائے

خالہ بھی پہلے پہل تو بستر سے بہترین کی تلاش میں ہر آنے والے رشتے کو انکار کہتی رہیں اور اب حالت یہ تھی کہ ابا جیسے سیکنڈ ہینڈ انسان کے پیچھے بھی آہیں بھرتی پائی جاتیں اور اب جب صبح ناشتے میں سب چائے پی رہے تھے، تب بھی خالہ اوپری پورشن کی طرف بھیگی نظروں سے دیکھتی ہوئی صبر کے گھونٹ پی رہی تھیں۔ جب چینا کی آواز سے سب کی خاموشی ٹوٹی۔

"کیا خیال ہے، کیا لگتا ہے کہ ابا کی چیک یک مل جائے گی؟ اور اگر ملے گی تو کیا ہمارے گھر سے یا چینا کی مانگی گئی دعا کے عین مطابق ان کے اپنے گھر کے کسی کون سے؟"

"چینا ہم کوئی نجومی تھوڑی ہیں کہ تم مستقبل کا حال جاننے کے لیے آپہنچی ہو۔" ضمیر بھائی نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا۔

"اوہو... وہ تو سب ٹھیک ہے، لیکن چینا تو صرف General Opinion رہی تھی۔"

"تو بھئی... اب چینا کے لیے تو Onion بھی کسی جرنل کے ہونے چاہییں؟" خالہ نے بھی کپ اٹھایا تو علی ان کی بات سے مکمل طور پر متفق نظر آیا۔

"خالہ جرنل بھی تو Onion کی طرح کئی پرتوں میں چھپے ہوئے ہیں اور جب سامنے آتے ہیں تو بس رلا ہی دیتے ہیں۔" اس سے پہلے کہ "تکرار ہاؤس" میں اب اس بات پر گھنٹہ بھر تکرار چلتی باہر ہوتی موسلا دھار ڈور بیل نے ان سب ہی کی توجہ ادھر مبذول کروادی۔

"ارے یہ کون آگیا اس وقت؟" صبح صبح گوالے کے بجائے اور کون ہوسکتا تھا، یہ بات سب ہی کے لیے حیرت کا باعث تھی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" علی اٹھنا چاہتا تھا مگر چینا نے بازو پکڑ کر دوبارہ بٹھادیا۔

"تم بیٹھو، چینا خود دیکھتی ہے۔" چینا کو ان کے یوں سلسلہ وار بیل دینے پر بہت غصہ آرہا تھا، جب ہی گیٹ کھولتے ہی ساتھ ساتھ بولتی بھی گئی۔

"ارے چینا کہتی ہے بیل سے ہاتھ ہٹا بھی لو کیا

ناشتے میں کرنٹ کھانے کا ارادہ ہے؟" اور گیٹ کھولنے کے بعد بھی چینا کے بولنے کی اسپیڈ میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا۔ اسی جوش سے جملہ پورا بھی کیا۔

"ہاں بھئی بتاؤ... کیا طیارے میں فیول ختم ہوگیا تھا جو اتنی جلدی میں تھے؟"

اور بس پھر اس کے بعد جیسے ہی چینا نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تو وہاں موجود حولدار اور لیڈی کانسٹیبل کو دیکھ کر منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور وہ دونوں ان کے گھر کو خالہ جی کا گھر سمجھتے ہوئے بڑی ہی بے تکلفی سے نہ صرف یہ کہ اندر آگئے، بلکہ تنقیدی نظروں سے لان سے لے کر گھر کے سامنے لگی لائٹوں تک کو بے تکلفی کے ساتھ جانچنے لگے۔ چینا کا کسی بھی پولیس مین کے ساتھ یہ پہلی مرتبہ واسطہ پڑا تھا۔ اس لیے گھبرا ایسے گئی تھی جیسے کسی اور دنیا کی مخلوق دیکھ لی ہو۔ تب ہی حوالدار نے اسے مخاطب کیا تو چینا پر یہ عقدہ بھی کھلا کہ سامنے پولیس وردی میں نہ سمجھ آنے والا معمہ نہ صرف حوالدار ہے، بلکہ پٹھان بھی ہے۔

"او خوچہ یہ سارا گھر تمہارا اے؟"

"نہیں نہیں سارا کہاں... چینا کا تو صرف یہ چھوٹا سا نیچے کا پورشن ہے۔ باقی اتنا بڑا اوپر کا پورشن اور وہ دیکھیں... وہ اوپر والی بالکونی سب چندا اور اس کے ابا کا ہے۔"

"اچھا اچھا... تو پر پہلے چینا کو بلاؤ... ام اس کو دیکھے گا۔" حوالدار صاحب نے فرمائش کی۔ "کبھی عورتوں کو دیکھنے سے بھی پرہیز بھی کیا کریں۔ چینا کی قسم صحت اور عہدے میں بڑا فرق پڑے گا۔"

اس دوران ہی لیڈی کانسٹیبل کی نظر خالہ، علی اور ضمیر بھائی پر پڑتی ہے جو چھپ چھپ کر انہیں دیکھے جارہے تھے۔ جب ہی وہ تشویش ناک انداز میں تفتیش کرتے ہوئے بولی۔

"یہ سب اندر کھلے ہوئے ہیں یا ہیلٹ باندھ کر گھومتے ہیں؟"

"یہ چینا کا گھر ہے، چڑیا گھر نہیں۔" چینا نے اس کے یوں کہنے پر بے حد مائنڈ کیا تھا۔

"او خوچہ تم چپ کرو، ام خود جاکر دیکھتی اے کہ اندر آخر ہوتی کیا اے۔" چینا نے چاہا تو بہت کہ انہیں کسی طریقے یہیں باہر ہی روک لے۔ مگر یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم تھا کہ آگے آگے حوالدار صاحب، پیچھے لیڈی کانسٹیبل اور ان دونوں کے پیچھے چینا حواس باختہ سی اندر کی طرف جارہی تھی۔

☼ ☼ ☼

(باقی آئندہ)

فاخرہ گل

خلا اسا لا ادا وپیڑ وا لا

پانچویں قسط

ابا اپنے بیڈ روم میں ٹی وی کے عین سامنے کرسی رکھے بیٹھے تھے جب چندا اندر آئی اور اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑے۔ "او پتری میں کش سوچ رہا ہوں۔" "ابا آپ کے سوچ لیتے ہیں باتیں کرتے ہوئے؟" وہ حیران ہوئی اور پریشان بھی کہ جو اطلاع وہ دینے آئی تھی اس کے بجائے ابا نے کوئی اور بات چھیڑ دی تھی۔ "تو کیا چاہتی ہے میں باتیں کرکے سوچا کروں؟"

"نہیں میں تو چاہتی ہوں یہ کہ آپ سوچ کر باتیں کیا کریں۔"

"یہی تو تجھے بتا رہا تھا ناں کہ میں کش سوچ رہا ہوں۔"

"لیکن ابا آپ تو کر رہے ہیں باتیں۔"

"بات سنتی ہے کہ نہیں۔" ابا کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"آپ کے بولنے سے پہلے کیسے سن لوں بات آپ کی؟"

"تاں تے میں پہلے کیا طولہ (طبلہ) بجا رہا تھا؟" اور اس سے پہلے کہ جواب میں چندا بھی کچھ کہتی پھر بول پڑے۔

"اذیت دینے میں تے قسمے بالکل ماں پر گئی ہے تو۔"

"ابا نہ کہیں میرے سامنے دادی ماں کو ایسا اذیت پسند۔"

"اوئے میں تیری ماں کی بات کر رہا ہوں۔" ابا کو چندا شاید آج زچ ہی کرنے پر تلی تھی۔

"اگر تھا ایسا ہی تو کیوں کی تھی ان سے شادی۔" اولاد جیسی بھی ہو کیسی کے منہ سے اپنی ماں کی برائی برداشت نہیں کر سکتی' اسی لیے چندا نے بھی ابا کو گھورا جس پر وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولے۔

"ہاں تے اپنے غناؤں کا کفارہ بھی تے ادا کرنا تھا ناں۔"

"پھر تو آپ کو اپنے گناہوں کے حساب سے کرنا چاہیے تھیں چار شادیاں۔ صرف ایک سے بھلا کتنا کفارہ ادا ہوا ہوگا؟"

"بس اک واری چیک بک مل جانے دے فیر تیری ایہہ خاہش بھی پوری کردوں گا۔" بڑی بدمزا ہو کر کرنے سے پہلے چندا کی نظر اچانک ہی سامنے رکھے ٹی وی پر پڑی جو حیرت انگیز طور پر بند تھا مگر ابا پھر بھی اس کے سامنے یوں بیٹھے تھے گویا بڑا دلچسپ پروگرام دیکھ رہے ہوں۔

"ابا کیوں بیٹھے ہیں ٹی وی کے سامنے؟"

"اس لیے کہ میں ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔ ہور کیا تجھے لگتا ہے تندور پر پیڑے دے رہا ہوں۔"

"لیکن ابا ٹی وی تو ہے بند۔ اس سے بہتر نہیں کہ آپ آن کرکے کوئی پروگرام دیکھ کر گزار لیں ٹائم پاس۔"

"او پتری جن کے لیے پیسے ضائع کروں بجلی ضائع کروں اور ان کے پروگرام دیکھوں کیا وہ بھی ہمیں کش دیں گے؟" چندا نے جوابی طور پر نفی میں سر ہلایا تو ابا نے اسے اشارے سے نزدیک بلا کر سرگوشی میں کہا۔

"جب میرا کسی وڈے (بڑے) آدمی کو دیکھنے کا جی

کرتا ہے ناں تے میں ٹی وی دیکھ لیتا ہوں۔"
"مگر اس میں تو نہیں آتا کوئی بھی بڑا آدمی"
"لو وہ تے اپنی حرکتوں سے چھوٹے ہو گئے ہیں
ناں۔ تو ادھر آ' اور یہ دیکھ۔" ابا نے ٹی وی کے مزید
قریب ہو کر اسے اپنا عکس دکھایا اور جوشیلے انداز میں
بولے
"یہ دیکھ۔ یہ ہے وہ بڑا آدمی' پر ابھی تک کسی کو پتا
نہیں چلا۔" ابا کے چہرے پر وہی تاثرات تھے جو یقینی

ناولٹ



طور پر کوملیس کے چہرے پر بھی اس وقت ہوں گے جب اس نے امریکہ دریافت کیا۔ اور اس کے برعکس چندا کی نظروں میں ان کے لیے رحم ہی رحم تھا بے چارگی تھی' ایسی بے چارگی جیسی کسی اپنے کو پاگل خانے میں دیکھ کر ہوتی ہے۔

☼ ☼ ☼

اک ٹریفک کانسٹیبل اس طرح گویا ہوا
کثرت خوراک سے کچھ اور برکت ہو گئی
توند میری ہو گئی میز کی صورت دراز
اور بھی چالان لکھنے میں سہولت ہو گئی

حوالدار اور لیڈی کانسٹیبل کھانا کھا چکنے کے بعد اب ٹیشو پیپر سے ہاتھ صاف کر رہے تھے اور ان کے سامنے خالی برتن رکھے تھے۔ جبکہ اہل خانہ چائے بنانے کے بعد اب منہ بنائے کھڑے تھے۔

"آپ کو برا نہیں لگ رہا کہ پہلے ہی دن ہمارے گھر آئے اور اتنا سارا کھانا کھا گئے۔" علی سے برداشت نہ ہوا تو بول ہی پڑا۔

"او خوچہ تم لوگ دونوں ہاتھوں سے مولوک کو کھاتی اے' پروا نہیں۔ ام اگر ایک وقت کا کھانا کھاتی ہے تو سب چر چر کرتی اے۔" حوالدار صاحب نے اطلاعاً" ڈکار لی۔

"اگر آپ کہیں تو ہاضمے کی گولی بھی لے آؤں۔" سب سے زیادہ سہمے ہوئے ضمیر بھائی نے پوچھا۔

"نہیں خوچہ' ام کو اور لوک نہیں اے۔ تم بتاؤ کہ تمارا کیا نام رکھا تھا تمارے باپ نے؟" ٹیشو پیپر سے ہونٹوں پر پھیلتی چکنائی صاف کرتے ہوئے انہوں نے کوئی پانچویں مرتبہ نام پوچھا تھا۔

"جناب میرا تو ایک ہی نام ہے البتہ آپ کے لوگوں نے ایک سو ایک نام رکھے ہوئے ہیں۔" ضمیر بھائی اپنے نام کی گردان کر کر کے تھک گئے تھے تب ہی ایسا جواب دیا۔

"ام تمارا نام پوچھتی اے۔ اپنے سب ناموں سے ام واقف ہے۔" جس طرح گونگے کی زبان اس کی ماں ہی سمجھ سکتی ہے اسی طرح پولیس آفیسر کی زبان بھی اس کے ماتحت ہی سمجھتے اور پھر دوسروں کو سمجھاتے ہیں سو لیڈی کانسٹیبل نے بھی اپنی ڈیوٹی نبھائی۔

"وہ ہو ان کا مطلب ہے کہ تمہاری بیوی تمہیں کیا کہتی ہے؟"

"اس کی یہ جرات کہ مجھے کچھ کہے۔ نہ نہ میں ہی کہے جی بیگم کہنے والا بندہ ہوں جی۔" انہوں نے اپنے اطراف میں چینا کے نہ ہونے کی یقین دہانی کرنے کے بعد بیان جاری کیا تھا۔

"واہ لو واہ خوچہ بیوی آزار نعمت اے" اس کی قدر کرو۔"

"نعمت تو ہے اگر واقعی بزار ہوں تو۔" ضمیر بھائی تو شاید ان کے ساتھ سب ہی دکھ درد بانٹنے کا ارادہ کر چکے تھے کہ قانون حرکت میں آگیا۔

"خوچہ' قانون کے ساتھ ایرا پھیری کرتا اے۔ زیادہ پاغل بنانے کی کوشش نہ کرنا۔"

"نہیں جی نہیں۔ آپ جتنے ہیں اتنے ہی ٹھیک ہیں۔" حوالدار اور ضمیر بھائی کی باتیں خالہ کو بری طرح بور کر رہی تھیں اور یہ بوریت ان کے چہرے سے بھی ظاہر تھی جو لیڈی کانسٹیبل نے بھانپ لی۔ "لگتا ہے خالہ جی کی طبیعت خراب ہے۔"

"خالہ تو ہو گی تم یا تمہاری خالہ۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔" انہوں نے دانت پیسے۔

"ویسے بہن جی' آپ دیکھتا اے کہ قانون عوام کے ساتھ کیسا گل مل گئی ہے۔" حوالدار صاحب سارا دن گزار کر اب فری سے ہو گئے تھے۔

"سوری' میرے بی پی پر تو صبح سے نو بجے رہے ہیں اس لیے میں کمرے میں جا رہی ہوں۔" خالہ کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

"کمرے میں تو جا رہی ہیں مگر کس کے؟" لیڈی کانسٹیبل نے کارکردگی دکھانی چاہی مگر حوالدار صاحب نے اسے ٹوک دیا۔

"تم چپ کرو۔ قانون کے سامنے بگ باس بنتا ہے؟" اور پھر خالہ کی طرف متوجہ ہوئے

"بہن جی آپ جاؤ' اسے تو قانون پوچھے گی۔" خالہ نے بڑے روہانسے انداز میں علی اور پھر ضمیر بھائی کو دیکھا اور غصے میں کمرے میں جاتی ہوئی صوفے سے ٹکرا گئیں مگر شرمندگی ظاہر نہ کرتے ہوئے بغیر ہائے وائے کیے منظر سے غائب ہو گئیں۔

"سران کے چلنے سے لگتا ہے کہ ان کی ڈرائیونگ بھی خراب ہی ہوگی۔" لیڈی کانسٹیبل نے تجزیہ کیا تو حوالدار صاحب نے پہلے لیڈی کانسٹیبل اور پھر علی اور ضمیر بھائی کو دیکھا۔

"ام بھی پہلے بس چلاتی تھی' پر پتا چلا کہ قانون بھی لماری طرح اندھا اے' تو بس کو بیچ کر قانون میں آگیا۔"

"لیکن آپ آخر یہاں پکڑنے کیسے آئے تھے؟" علی نے اپنی تمام تر ہمت جمع کر کے آخر پوچھ ہی لیا۔

"پہلے خود فون پہ فون کر کے بلاتی اے اور پر پوچھتی اے کہ ام کس کو پکڑنے آیا ہے۔"

"کمال ہے بھئی انصاف آپ کی دہلیز پر ہے اور آپ لینا نہیں چاہتے۔" لیڈی کانسٹیبل نے جوش دلانا چاہا مگر ناکام رہی کہ ان معاملات میں "تکرار ہاؤس" کے مکین ذرا ٹھنڈے واقع ہوئے تھے۔ اسی دوران چینا ٹرے میں دو گلاس بھر کر جوس لائی اور ان کے سامنے پٹخ دیا۔

"انصاف ہے یا سبزی کا ٹھیلا؟ جو خود بخود دروازے پر آگیا ہے۔"

"کون کہتی ہے کہ انصاپ اور سبزی کے ٹھیلے میں فرق نئیں ہمیں تو اس کو پوچھو۔"

"دیکھیں حوالدار صاحب' عزت سے بات کریں' سامنے چینا ہے۔" چینا نے یاد دلایا۔

"عزت کو گولی مارو ام پہلے تم سے ٹکر لیں۔" زنانہ لڑائی شروع ہونے کا امکان نظر آیا تو لیڈی کانسٹیبل پہلی صف میں نظر آئی۔ لڑتے ہوئے کہیں لڑائی پر اکساتے ہوئے۔

"دیکھیں' دراصل آپ کا مطلب۔۔۔" علی بیچ بچاؤ کے لیے میدان میں اترا۔

"مطلب وطلب چھوڑو یار۔ کیا بات کرتی اے تم لوگ' اماری پرپارمنس دیکھ کر تو خود حکومت نے کتنی دپا ام کو بروک شیلڈ بھی دیا ہے۔"

"ارے واہ۔ لیکن ہم کیسے یقین کریں۔ ہم تو تب ہی مانیں گے نا اگر آپ دونوں پندرہ منٹ میں واپس پولیس اسٹیشن پہنچیں۔" علی نے چالاکی کرنے کی کوشش کی۔ اور کامیاب بھی رہا۔

"خوچہ۔ چس ٹھیک اے۔ ام دس منٹ میں ہی واپس جا کر دکاتی اے۔"

حوالدار صاحب اور لیڈی کانسٹیبل دونوں بڑے ہی پرجوش انداز میں واپس جانے لگے۔ چینا' علی اور ضمیر بھائی کی خوشی کا یہ عالم تھا کہ دل چاہتا پٹاخے پھوڑیں لیکن اسی دوران ہی ابا اپنے پورشن سے برآمد ہوئے۔

"اوئے حوالدار!" حوالدار اور لیڈی کانسٹیبل سمیت سب ہی نے سلطان راہی جیسی بڑھک مارنے والے ابا کو دیکھا۔

"اوئے پلیس سٹیشن کے نمبر ملا ملا کر اپنی انگلیاں میں نے ٹیڑھی کرلی ہیں تے چیک بک وتیاں بغیر ہی جا رہے ہو۔"

"اچھا تو قانون کے ساتھ فون پر چھپن چھپائی تم کھیل رہے تھے؟" لیڈی کانسٹیبل نے خدشے کی تصدیق کی۔ جس پر ابا نے بڑے فخر سے گردن ہلا کر اقرار کیا تو چینا کو تو جیسے الزام لگانے کا موقع مل گیا۔ "پھر تو چینا کے خیال میں ان پر دفعہ نو دو گیارہ لگنی چاہیے۔"

"او جی' حوالدار صاحب' آپ اوپر تے آؤ۔ کوئی بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔" ابا اپنے اوپر دفعہ لگنے کی بات سے سہم گئے تھے' جب ہی ڈھکے چھپے لفظوں میں مل بیٹھنے کی آفر کر ڈالی' جس پر فی الحال حوالدار صاحب رضامند ہوتے نظر نہیں آئے تھے۔

"او خوچہ نئیں ام۔"

اس سے پہلے کہ وہ لوپر آنے سے منع کرتے ابا کے عقب میں چندا بھی آن کھڑی ہوئی اور حوالدار صاحب کو نظریہ ضرورت۔ کے تحت اپنا بیان آدھے راستے ہی

بدلنا پڑا۔

"آئی گی' آئے گی' ام کیوں نہیں آئے گی۔" اور پھر جس مقناطیسی انداز میں انہوں نے سیڑھیوں کا رخ کیا چینا وغیرہ تو بس دیکھتے ہی رہ گئے اور قانون ان کی نظروں سے اوجھل بھی ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

خالہ اپنے کمرے میں نہایت افسردگی سے سی ڈی ریک کے سامنے کھڑی کبھی کوئی سی ڈی نکالتیں پھر رکھتیں اور پھر نکال دیتیں۔

"کوئی تو ایسی غم زدہ گانوں والی سی ڈی ملے جسے لگا کر خوب رونا آئے اور ذہن سے یہ خالہ لفظ کا داغ دھل جائے۔" انہوں نے سوچا اور عین اسی وقت ضمیر' علی اور چینا منہ لٹکائے ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"اب کیوں آئے ہو یہاں۔ میں تو کہتی ہوں امریکہ ہو تم تینوں امریکہ۔ جب بھی ضرورت پڑتی ہے' آنکھیں پھیر لیتے ہو۔"

"مگر خالہ اس میں ہمارا کیا قصور؟" ضمیر بھائی ایک محاذ پر شکست کھا کر اب دوسرے محاذ پر اپنا دفاع کر رہے تھے۔

"مجھے تو خالہ وہ ایسے کہہ رہی تھی' جیسے خود ابھی جھولے سے گری ہو۔"

"تو اور کیا خالہ میں تو اسے کچھ کہنے ہی والا تھا مگر پھر عورت سمجھ کر اس کا لحاظ رکھا۔" علی بولا اور چینا کے ساتھ ہی سامنے رکھے صوفے پر گر سا گیا۔

"اچھا خالہ چلو چینا کی بات بھی مان لو اور غصہ تھوک دو۔ سب مل کر اس کا حل نکالتے ہیں۔" چینا نے انہیں تسلی دی۔

"اور وہ۔ وہ جو مجھے بہن جی کہہ رہا تھا۔" ایک ایک دکھ خالہ کو اذیت دے رہا تھا' گیا کرتیں۔

"ویسے خالہ تمہارا منہ ہی بہنوں والا ہے۔ بندہ اور کچھ کہہ ہی نہیں سکتا۔" ضمیر بھائی خالہ کے عین سامنے جا بیٹھے تھے اور ان ہی کے زخموں پر نمک پاشی بھی کرنے لگے۔

"ضمیر' مجھے' تم سے کم از کم یہ امید نہیں تھی۔" خالہ نے مایوسی سے کہا تو چینا پھر بولی۔

"اچھا نا چلو چھوڑو۔ چینا کہہ رہی ہے تو پلیز غصہ تھوک دو۔"

"اچھا خالہ میں بھی معافی مانگتا ہوں' اب غصہ تھوک دو۔" ضمیر بھائی بولے تو علی کو بھی مذاق سوجھا۔

"ویسے اس بات کا کریڈٹ تو پھر چینا آپی کو ہی جاتا ہے نا۔"

"کس بات کا؟" ضمیر بھائی حیران تھے کہ کیا کریڈٹ کارڈ کے علاوہ بھی اس کو کریڈٹ مل سکتا ہے۔ "اس بات کا کہ انہوں نے آپ کو معافیاں مانگنے میں اچھا خاصا ایکسپرٹ کر دیا ہے۔"

"ضمیر۔ کاش چینا تمہیں سب کے سامنے سویٹی پائی کہہ سکتی۔" چینا نے بڑے ہی پیار سے انہیں دیکھا

"ارے بھائی کہہ دیا تو خواہ مخواہ نکاح ٹوٹ جائے گا۔ یہاں پہلا ہی نہیں ہو رہا پھر تمہارے دوسرے نکاح کی بھی فکر لگ جائے گی۔" خالہ نے تشویش ظاہر کی جس کی ضمیر بھائی نے پرزور تردید کی۔

"خالہ' چینا نے بھائی نہیں پائی کہا ہے۔"

"ہاں تو میں سب تائی کہہ رہی ہوں' میں نے بھی تو بھائی کہا ہے نا۔"

"اچھا چھوڑو خالہ اٹھو کھانا کھائیں۔" چینا نے کہا تو وہ ضدی بچوں کی طرح دائیں بائیں گردن ہلا کر منع کرنے لگیں۔

"اب مان جاؤ ناں خالہ پلیز۔ اور غصہ تھوک دو۔" خالہ نے فیصلہ کرنے کے انداز میں باری باری ان تینوں کو دیکھا اور بڑی شدت سے ضمیر بھائی پر تھوک دیا۔ جس پر وہ غصے میں بلبلا ہی تو اٹھے تھے۔

"خالہ۔"

"نہیں نہیں بس اب ٹھیک ہوں اتنا ہی غصہ تھا۔" خالہ نے باہر نکلتے ہوئے بے نیازی سے کہا تو چینا بھی مڑ کر دیکھنے لگی۔

"ضمیر' چینا کی خاطر شرٹ چینج کر کے آنا۔"

"لگتا ہے خالہ نے بھی پہچان لیا ہے آپ کو۔" چندا کے پیچھے کمرے سے نکلتے علی نے بھی ٹکرا گیا تو ضمیر بھائی نے بڑے غصے سے سامنے رکھی سی ڈیز بیڈ پر پھینک دیں۔

☆ ☆ ☆

پہلے آپ کے ہونٹوں پر جو مسکان وغیرہ
قربان گئے اس پہ دل و جان وغیرہ
بے حرص و غرض فرض ادا کیجیے اپنا
جس طرح پولیس کرتی ہے چالان وغیرہ

ابا کمرے میں داخل ہوئے تو حوالدار کی مسکراتی نظریں چندا کے چہرے پر چپکی ہوئی محسوس کر کے انہیں اپنے اندر محفوظ کر کے رکھی گئی غیرت انگڑائی لے کر جاگتی محسوس ہوئی۔

"او کون ایں توں حوالدار؟"

حوالدار صاحب بھی اس اچانک پڑنے والے چھاپے کے لیے بھلا کب تیار تھے اس لیے گڑبڑا گئے۔

"میں... میں ہوں آئی جی۔"

"چوتھوں کا؟" (بھوتوں کا) ابا نے اپنی معلومات عامہ بڑھانے کو سوال کیا۔

"خوچہ ام اپنی ماں کا آئی جی ہے چوتھوں موتھوں کو ام نہیں مانتا۔"

"ماں کا آئی جی؟" ابا کو حیرت ہوئی۔

"اوئے حوالدار! اک بات تے بتا کہ یہ محکمہ پولیس تیری ماں ہے؟" اتنا کہنا تھا کہ حوالدار صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ سے ابا کا گریبان پکڑ لیا۔

"ام کو گالی دیتا اے خانہ خراب۔ میں تیرے کو چھوڑے گی نہیں۔"

"چھوڑ دیں نا سر۔ یہ آخر کار ہیں میرے ابا!" چندا نے درخواست کی تو ابا کو اپنے گریبان پر حوالدار صاحب کے ہاتھ ڈھیلے پڑتے محسوس ہوئے۔

"سر؟ اتنی عزت سے تو ماری بیوی نہیں بلاتی۔"

"وہ بیوی ہے نا۔ اچھی طرح جانتی ہے آپ کو۔" لیڈی کانسٹیبل نے اطلاع دی۔

دوپہر آئی بی؟" ابا کا دماغ ابھی تک وہیں اٹکا ہوا تھا۔

"انار گل کو ام چوٹا چوٹا کر کے آئی جی بولتی۔" حوالدار صاحب نے وضاحت کی۔ "دراصل ام جب پیدا ہوا تو انار کے مافق سورو ک تھا بس ماں نے امارا نام ہی انار رکھ دیا۔"

"انار چھوڑ حوالدار اب تے اچار جیسا رنگ ہو گیا ہے۔" ابا کا خیال تھا کہ شاید حوالدار صاحب اب تک اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہیں لہٰذا اطلاع دے کر اپنا فرض پورا کیا۔

"دراصل حوالدار صاحب پہلے ٹریفک پولیس میں تھے تو ان کا رنگ اڑ گیا ہے۔" لیڈی کانسٹیبل نے حوالدار صاحب کے اشارے کو سمجھتے ہوئے انہیں بتایا۔ تو چندا کو تواضع کا خیال آگیا۔ "آپ لیں گے ٹھنڈا پئیں گے گرم؟"

اور ابا کو چندا کی اسی عادت سے اختلاف تھا بھلا کیا ضرورت تھی کسی بھی شخص کو کھلانے پلانے کی اور بغیر اشد ضرورت کے خود بھی کھانے کی، جب ہی انہوں نے چندا کو یوں گھورا کہ کھولتے پانی میں ابلتے انڈوں کو بھی ان کی دھندلی نظر نے مات دی۔

"او ٹھنڈا منڈا ام پی کے آیا ہے، دوسرا آپشن ٹیک اے۔"

"ہاں میرا بھی یہی نیک خیال ہے کہ ٹھنڈا رہنے دیں۔" لیڈی کانسٹیبل بھی مسکرائی۔ لیکن جب بات ہو کیسی بھی قسم کے خرچے کی تو ابا کا ان کی مسکراہٹ بھلا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ چندا نے ڈرتے ڈرتے ایک بار پھر انہیں دیکھا۔ تو تاثرات وہی جارحانہ تھے اوپر سے حوالدار صاحب کی باتیں انہیں مزید اشتعال دلا رہی تھیں۔

"جیسے ان دونوں بہنوں کی مرضی۔ ام تو خوچہ عورتوں کی باتوں میں بولتی نہیں اے" حوالدار صاحب نے چندا اور اپنی ماتحت اہلکار کی طرف اشارہ کیا تو ابا اپنی جگہ سے ہلے۔

"میں خود لاتا ہوں جا کے۔" اور پھر چندا کے پاس سے لرزتے ابا نے جاتے جاتے زیر لب کیا کہا کہ چندا کا منہ ٹریفک کی اس بتی جیسا ہو گیا جو گاڑیوں کو نہ رکنے کا اشارہ دیتی ہے نہ فوراً "گزارنے کا۔

☼ ☼ ☼

یہ لغزش "احتراماً" ہو گئی تھی
جوانی کو بڑھاپا کہہ دیا تھا
وہ بلی آج تک ہم سے خفا ہے
جسے بھولے سے آپا کہہ دیا تھا

آج اٹھ کر اگر حولدار صاحب کو غلطی سے کچھ دینا پڑ گیا تھا تو انہیں برا بھلا کہنے اور مورد الزام ٹھہرانے کے لیے بھی خالہ ہی یاد آئی تھیں۔ حالانکہ یہ حقیقت کراچی شہر میں دن کے وقت جلتی اسٹریٹ لائٹس کی طرح روشن تھی کہ حوالدار صاحب کے آنے کے معاملے میں تو خالہ کا کوئی بھی قصور نہیں تھا لیکن پھر بھی شاید وہ ابا کے دل سے ان کی قمیص کے خالی جیب کی طرح نزدیک تھیں اسی لیے مشکل وقت میں سب سے پہلے وہی یاد آئیں۔ اور تب انہوں نے کچن میں داخل ہو کر پہلے تو سرد موسم میں سرد آہ بھری اور ان کی نظریں کھڑکی کے ساتھ دھوپ میں رکھی ہوئی پانی کی بوتل پر پڑی۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور ہاتھ لگا کر اس کا گرم ہونا محسوس کیا تو وہ اچھی خاصی گرم ہی محسوس ہوئی۔

باوجود اس کے کہ دھوپ اب فلرٹ حسینہ کی طرح نظریں پھیر چکی تھی۔ سو انہوں نے کپ ٹرے میں رکھے اور اسی پانی کو چند ہی لمحے چولہے پر رکھ کر پھر کپوں میں ڈال لیا۔ چہرے پر دکھ کسی سپیرے کی طرح اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اسی عالم جذبات میں ان کا زمین کی ہتھیلی جیسا منہ ایسا سکڑ گیا تھا کہ لگتا ننھے بچے نے دعا مانگنے کے لیے دونوں ہتھیلیاں ملا رکھی ہیں۔

"ٹی چائے بنانے کے لیے پانی گرم کیا ہوا تھا۔ پر آ۔ ہاہ۔" ہنکارا بھرتے ہوئے انہوں نے بڑی ہی دکھی خود کلامی کی تھی۔

"بتی لے کر بھی پوری دنیا وچ کوئی فضول خرچ بندہ

ڈھونڈھ ڈالو تے سامنے میری ہی اپنی ذاتی رکھی ہو تھا کھول کے کھڑی ہوگی۔

کیا تے کش سمجھا چکا ہوں اسے پر۔۔ کش اثر نہیں ہے۔" ابا دونوں کپ ٹرے میں رکھ کر کچن سے نکلے تو دل ایسا بھاری تھا کہ جیسے ان کی رخصتی ہو رہی ہو۔ وہ بھی ہیر جیسی۔!

☼ ☼ ☼

ٹی وی لاؤنج میں حوالدار صاحب سمیت چندا اور لیڈی کانسٹیبل بھی اس انتظار میں تھی کہ اب دیکھتے ہیں کہ چینا کے گھر سے کھانے لینے کے بعد اب یہاں تواضع کا کیا عالم ہوگا اور چونکہ یہ دونوں گھرانے ایک دوسرے کے مقابلے پر تھے اس لیے بڑی پر تکلف تواضع ہونے کا امکان تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ چندا کو اس طرح کی کوئی بھی خوش فہمی اس لیے نہیں تھی کہ وہ ابا کے ساتھ ہی زندگی گزار رہی تھی اور انہیں اچھی طرح جانتی تھی۔ سو ابا ٹرے میں صرف دو کپ رکھ کر لائے تو حوالدار صاحب اور لیڈی کانسٹیبل نے پہلے تو ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر یہ سوچ کر کہ چلو کوئی بات نہیں ابھی نیچے سے تو اتنا کچھ کھا کر آئے ہی ہیں اس لیے ہاضمے کو بہتر بنانے کے لیے ایک ایک کپ چائے بھی چلے گی، مسکرا دیے اور ابا کا پیش کردہ کپ اٹھالیا۔

کپ کیا تھا ایک معمہ تھا، وہ جسے چائے سمجھے بیٹھے تھے وہ ایک ایسا محلول تھا جس کا کوئی رنگ نہ تھا اور یا پھر اس نے کچی عمر کی نئی نویلی دلہن کی طرح خود کو کسی کے بھی رنگ میں رنگنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

بہرحال جو بھی تھا دونوں نے اپنا اپنا کپ اسی تجسس میں اٹھالیا۔

"اس کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی، بس تکلف ہی کیا آپ نے۔" لیڈی کانسٹیبل نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے وہ الفاظ کہے جو ہمارے معاشرے میں اس طرح کے موقعوں پر بولنا ہر مہمان کے لیے فرض خیال کیے جاتے ہیں۔ بے شک خود گھر سے دو دن کے بھوکے اٹھ کر آئے ہوں اور تواضع کے لیے رکھی گئی چیزوں کو دیکھ دیکھ کر منہ سے میونسپلٹی کے نل سے نکلتے پانی کی طرح رال قابو میں نہ آ رہی ہو، بے شک دل چاہتا ہو کہ اب انہیں اس سجی ہوئی میز پر تنہا چھوڑ کر ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ لیکن جب تک وہ یہ اور اس طرح کے ایک دو اور جملے نہ کہہ دیں دل کا چور یہی کہتا ہے کہ شاید میزبان انہیں ندیدا ہی خیال نہ کرے۔ ورنہ تو یہ سب باتیں کہتے ہوئے وہ کھانے پینے کی اشیا کو یوں دیکھتے ہیں جیسے نکاح کے بعد کی رسموں میں دلہا اپنی دلہن کو دیکھتا ہے۔

"ضرورت نئیں تھی تے پہلے بتاتے، کھانے پینے کے معاملے میں نہ کرنی ہوتے شرماتے نئیں۔" ابا نے مفت مشورہ دیا ہی تھا کہ حوالدار صاحب کے منہ کے زاویے امیر اور لاپروا والدین کی اولاد کی طرح آہستہ آہستہ بگڑنے لگے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے ایک گھونٹ پی لی تھی۔ ابا کی بنائی ہوئی نمکین چائے!

"او خوچہ خانہ خراب یہ تو پانی نا۔"

"نئیں تے میں کپ میں تیرے لیے شوری (شوربہ) ڈال لیتا مرغی کا؟" "گرم پانی اور وہ بھی اتنا گرم۔۔۔؟" لیڈی کانسٹیبل کے بھی ارمانوں پر بجلی تھی۔

"اوئے ابھی نئیں کہا تم نے ہم کہ ٹھنڈا بی کے آئی ہے۔" ابا نے پنجابی تلفظ کے ساتھ پختون لہجہ بنا کر حوالدار صاحب کی نقل اتارنے کی کوشش کی تو یوں لگا جیسے حکم دینے کے انداز میں گزارش کر رہے ہوں۔

"توبہ توبہ، ام کو تو اتنی سردی میں بھی اس ایک گھونٹ سے گرمی لگ گیا ہے۔ ینکا لگاؤ چندا بنکا۔"

حوالدار صاحب نے جس بے تکلفی سے چندا کو پکارا تھا ابا نے فوراً ہی گردن گھما کر پہلے تو چندا کے کنفیوژ چہرے کو دیکھا اور پھر حوالدار صاحب کے نین نقش کا بغور جائزہ لیا تو جیسے ان کی جان میں جان آئی، کیونکہ وہ جو اتنی دیر سے ان کو نوجوان سمجھے بیٹھے تھے، نزدیک سے جانچنے پر پتا چلا کہ وہ اب اتنے بھی نوجوان نہیں ہیں اس لیے ابا نے بھی بڑی بے فکری سے مسکراتے ہوئے چندا کو دیکھا اور مطمئن وہ اس لیے

بھی تھے کہ ان کا خیال تھا حوالدار صاحب اس وقت عمر کے جس درمیانی دور میں تھے اس میں کسی بچوں والی عورت پر بھی دل آسکتا ہے۔ ہاں البتہ دو چار برس آگے ہوگئے تو ان کی صحت اور نیت دونوں ہی سی ڈی کی طرح آٹومیٹک ریوائنڈ ہو جائیں گی۔ حوالدار صاحب کے ساتھ موجود اس جوان جہان لیڈی کانسٹیبل کی بے فکری بھی ابا کو اپنے اسی تجزیے کے تحت معلوم ہوئی۔

"چلاتو دوں پنکھا، لیکن یہ تو چلتا ہے صرف ہوا سے۔"

"کیا مطلب؟" لیڈی کانسٹیبل نے سوال کیا۔

"مطلب یہ کہ اگر لگے ہم کو گرمی تو ہم اسے گھر کی سب کھڑکیاں کھول دیتے ہیں اور پھر اندر آجاتی ہے باہر کی ہوا۔"

"واہ واہ خوچی یعنی تم لوگوں نے اپنے گر کا بجٹ بھی نانوں (تھانوں) کے مابق (مافق) چونا چونار کھا ہے۔"

حوالدار صاحب کو ان دونوں سے اس قدر ذہانت کی امید ہرگز نہیں تھی۔ اور لوگوں کی امیدوں کے برخلاف جانا تو ویسے بھی ان کا وطیرہ تھا۔ جب ہی بڑے فخر سے سر ہلاتے ہوئے ابا نے پہلے چندا اور پھر ان دونوں کو یوں دیکھا کہ جب دیکھنے کے دوران ان کی آنکھیں لیڈی کانسٹیبل تک پہنچیں تو بائیں آنکھ اچانک ہی دائیں کو کھلا چھوڑ کر بند ہوگئی۔ اب یہ نتیجہ نکالنا مشکل تھا کہ آیا اب کی بائیں آنکھ اچانک ہی کچھ پڑ جانے سے بند ہوئی تھی یا پھر عین لیڈی کانسٹیبل کو دیکھتے ہوئے بائیں آنکھ بند ہونے کا مقصد وہی تھا جو عام طور پر مرد حضرات پورا کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

یہ اور بات تھی کہ اگر ان کی یہ ہی دانستہ یا نادانستہ سرزد ہونے والی حرکت کا نوٹس لے لیا جاتا تو صرف آنکھ نہیں وہ خود بہ نفس نفیس جیل میں بند ہو سکتے تھے۔

جسے دیکھو وہ لڑ کے جا رہی تھی
اور اک دو ہاتھ جڑ کے جا رہی تھی
خطا اتنی تھی میں در پر کھڑا تھا
اور میری آنکھ پھڑک کے جا رہی تھی بائیں

☼ ☼ ☼

اوپر والے پورشن میں ان کے خلاف ہوتی مبینہ قانونی سازش اور اس کے آئینی خطرات و خدشات کے پیش نظر نچلے پورشن والوں کا بھی دل کا چین غائب تھا۔ ضمیر بھائی جن پر خالہ تھوک کر آئی تھیں۔ انہیں شرٹ بدلنے میں اتنی دیر ہوگئی تھی کہ لگتا شرٹ نہیں نظام بدل رہے ہوں البتہ علی ہمیشہ کی طرح انہیں اس کیفیت میں مبتلا دیکھ کر خوش نہیں بہت خوش ہوا تھا۔

"خالہ چھوڑو نا اگر کسی نے خالہ یا بہن کہہ دیا ہے تو۔ ان کے حصے کی سزا تو ضمیر بھائی کو ملے گی اب بتاؤ تمہیں کھانا ڈال دوں؟"

بالآخر علی نے ہی چینا اور خالہ کی خاموشی توڑنے کا ارادہ کیا۔

"شرم تو نہیں آتی تمہیں علی۔ گھر کی لڑکی پر نظر رکھتے ہو۔" خالہ نے ڈانٹ دیا۔

"گھر کی لڑکی؟ لیکن خالہ چندا تو اوپر والے پورشن میں رہتی ہے نا۔"

"ہاں تو پھر اس کو جا کر دانہ ڈالو نا۔ مجھے کیوں کہہ رہے ہو دانہ ڈال دوں؟" خالہ بھی اپنے نام کی ایک تھیں جن کے نزدیک سماعت صرف اور صرف "سماں" کی جمع تھی بس' اس کے علاوہ اکثر اوقات وہ اس سے ناواقف نظر آئیں۔

"تو ہے یہ غیر ملکی ڈرامے بھی نا۔ انہوں نے تو بہن' بھائی' خالہ' چاچی سب رشتوں پر جھاڑو پھیر دی ہے۔ عزت آبرو تو گویا ختم کرنے پر تلے ہیں۔" خالہ کا یہ رکنے کا ارادہ جان کر چینا بھی ان کی باتوں سے گھبرا گئی تھی۔

"علی۔ تم نے خالہ کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کی' جیسی غیر ملکی ڈرامے کر رہے ہیں؟"

"واہ چینا واہ۔ میرے بتانے کے باوجود تم اس سے پوچھ رہی ہو' اعتبار نہیں ہے کیا مجھ پر' کوئی بکا ہوا صحافی

سمجھ رکھا ہے کیا؟" وہ تلملائیں۔

"میں نے تو صرف اور صرف خالہ کو کھانا ڈالنے کی آفر کی تھی آپی' ورنہ میں تو باسی کھانا کھانا پسند نہیں کرتا یہ تو پھر۔"

"اب بات مت بدلو علی۔ مانا کہ میں جوان ہوں' حسین ہوں' ہزاروں دل مجھے دیکھ کر ایک دم دھڑک اٹھتے ہیں لیکن۔" خوش فہمیاں ڈالر کی طرح اپنے عروج پر تھیں۔

"خالہ کوئی بھی ڈراؤنی چیز دیکھ کر دل یونہی ایک دم دھڑک اٹھتے ہیں' اس لیے خواہ مخواہ رومانٹک ظاہر نہ کریں خود کو۔" چینا نے برا منایا۔

"لیکن اسے کچھ تو عمر اور میرے رشتے کا بھی لحاظ ہونا چاہیے کہ نہیں۔" خالہ نے سوال کر کے چینا کو سوچ میں ڈال دیا تھا۔

"ارے ارے ارے خالہ چھپی رستم' تمہارا عمر سے رشتہ ہو گیا؟ کب؟ کس نے کروایا اور چینا کو کیوں نہیں بتایا؟"

"بے فکر رہیں آپی' خالہ کا رشتہ ہمارے ملک میں انصاف کی طرح ملنا بہت مشکل ہے۔" علی نے منہ بسورا۔ خالہ نے اس کے سچے جذبے کو غلط سمجھا اس بات پر اسے اتنا دکھ ہو رہا تھا جتنا فیس بک پر سب سے چلبلی چیٹنگ کرنے والی لڑکی کے آن لائن نہ ہونے کا ہوتا تھا۔

"خبردار علی' مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں مت الجھاؤ اور میں تمہیں بتادوں کہ حوالدار صاحب والے واقعے کے بعد میں بہت سخت ہو گئی ہوں اس لیے مجھے اس نظر سے دیکھنا بھی مت۔"

"ڈونٹ وری پیاری خالہ۔ میری تو ویسے ہی نظر خراب ہے۔" علی مسکرایا۔

"ہاں اسی لیے تو جس پر بھی ڈالو خراب نظریں ڈالتے ہو۔" علی کے معاملے میں چینا بہت کم کسی کی بات برداشت کرتی تھی کہ آخر اکلوتا اور چھوٹا بھائی تھا اس لیے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور بولی۔

"نہیں نہیں بہت ہو گیا خالہ۔ خبردار جو اب ایک لفظ بھی اب چینا کے بھائی کو 'ماتو۔"

"لیکن تم اسے لگام۔"

"دیکھے گا' دیکھے گا' چینا کا بھائی تمہیں اسی نظر سے دیکھے گا۔ اب بے چارہ "میرا" کی نظر "تو لانے سے رہا۔" غصے میں چینا شالیمار ایکسپریس کی طرح پھڑ پھڑکنے کا نام نہ لیتی تھی۔ اس کے بولنے پر علی کو بھی ڈھارس ہوئی ورنہ تو وہ بھی خود کو ضمیر بھائی کی کیٹگری کا سمجھ رہا تھا۔

"میرا" کی "نظر" تو آپی ملے گی نہیں' پاکستان میں بین لگ گیا تھا اس پر۔"

واہ بھئی واہ۔ ہمارے سنسر والے بھی تو شاید ایک شیشے کی عینک لگاتے ہیں کہ فلموں میں میرا کی "نظر" نظر آگئی اور غیر ملکی ڈراموں میں ان کی بد نظری نظر نہیں آئی۔"

خالہ نے بد نظری کو بدہضمی کے انداز میں کہا تو علی اور چینا ان سے متاثر نظر آنے لگے۔ خالہ کاش چینا تمہیں "شاباش" دے سکتی۔"

"آئے ہائے تو دے دو نا' روکا کس نے ہے؟" خالہ اس خاتون شخصیت کی طرح خوشی سے بھول گئیں تھیں جنہیں سوتے سوتے ہی خوش خبری ملی کہ انہیں حکومت کی طرف سے تمغہ امتیاز دیا جا رہا ہے۔ اب یہ الگ بحث ہے کہ وہ کسی امتیاز کا تمغہ تھا جو انہیں ملا"ملا یا اس تمغے کا امتیاز تھا کہ ان جیسی شخصیت کو ملا بہرحال جو بھی ہو قصہ اس دیہاتی خاتون جیسا تھا جس کا نام اس کے والدین نے وزیر رکھا اور پھر وہ اعظم نامی شخص سے شادی کر کے پورے دیہات میں وزیر اعظم کے طور پر جانی اور پہچانی جاتی ہو۔

☆ ☆ ☆

حوالدار صاحب اپنے حوالات میں تو کسی کی جو خاطر کرتے ہوں گے کرتے ہی ہوں گے' لیکن جو خاطر مدارات ان کی ابا نے کروائی تھی وہ یقیناً "ان کے یادگار

تھی کہ آج تک نہ تو کسی نے ایسی توضیح کی تھی اور انہیں یقین تھا کہ نہ کوئی آئندہ ان کی ایسی توضیح کر سکتا تھا اور اب جب انہیں ابا کی اوقات کا اندازہ ہو چلا تو انہوں نے معاملے کو نبٹانے کی طرف پہلا قدم بڑھایا اور بولے۔

"اچھا تو خوچہ اب ام کو یہ بتاؤ کہ بار بار فون پر کیوں ہارن دیتی تی؟"

"او جناب عالیہ دراصل۔۔۔" اس سے پہلے کہ ابا کچھ جواب دیتے حوالدار صاحب کو جیسے کسی نے چٹکی کاٹی۔

"اوئی۔۔۔" اس اوئی کا دورانیہ ڈرامے کی نسبت ٹیلی فلم جتنا تھا اور حیرت کا اظہار کرنے کی غرض سے دونوں آنکھیں اور ہونٹ "اوئی" کرتے ہوئے اس قدر گول ہو گئے کہ لگتا چہرہ نہیں ہے بلکہ کسی بچے نے وائٹ بورڈ پر موٹے موٹے حروف میں چار "تون" لکھ رکھے ہیں چار اس لیے کہ ان کا ناک بھی نامولود بچے کی مجسم تصویر تھا جبکہ ابا نے شک کی گہری نگاہ سے ان کے ساتھ ہی بیٹھی لیڈی کانسٹیبل کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنا شک ظاہر کرنے کی کوشش بھی کی جسے قانون کی اس محافظ نے نگاہ غلط سمجھ کر نظر انداز کر دیا کہ ان کی اس "اوئی" کے پیچھے اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔

"خوچہ تم بھی پہنے بس چلاتی تی۔۔۔ اس لیے ام کو ہارن دیتی؟"

"او توبہ کرو جی، میں نے تے اج تک ہانڈی میں چمچ نئیں چلایا تسی بس دی گل کر رہے ہو۔"

"تم بس نئیں چلاتی۔۔۔ مطلب تماری آنکھیں مانتیں۔ ٹیک ایس پر تم ام کو عالیہ عالیہ کیوں بولتی؟ تم کو ایک گبرو شیر جوان نظر نئیں آتی اے؟"

"گبرو تے شیر تے جوان۔۔۔ پر ہے کدھر؟" ابا ان تین نئے ممکنہ آنے والے اشخاص کو کھوجی نظروں سے یوں یہاں وہاں دیکھنے لگے کہ انہیں پوشیدہ کا گمان گزرا جب ہی لیڈی پولیس نے اپنی ذمہ داری نبھانے کا سوچا۔

"او احمق انسان ادھر دیکھو ادھر۔" ابا سے مخاطب ہو کر وہ گبرو شیر جوان کے طور پر حوالدار صاحب کو متعارف کروانا چاہتی تھی مگر ناکام رہی اور ابا نے حوالدار صاحب کی توجہ اس طرف دلائی۔

"او تینوں بلا رہی ہے۔" اور اس سے پہلے کہ قانون کی اس بے حرمتی پر ابا کے خلاف کوئی کارروائی کی جاتی چندا کی آواز حوالدار صاحب کے کانوں میں یوں اتری جیسے فلمی ہیروئن سوئمنگ پول میں اترتی ہے۔ دھیرے دھیرے۔۔۔ متوجہ کرتے ہوئے!

"سر جی۔۔۔ آپ کو کیا تھا فون رپورٹ کے لیے۔"

چندا کی آواز نے حوالدار صاحب کا موڈ ایسے تبدیل کیا جیسے دودھ میں روح افزا ڈال دیا ہو۔ پہلے کیا تھا، کیسا تھا کچھ خبر نہیں، جب ہی وہ اپنی جگہ سے ہلے بغیر صرف جسم کا اوپری حصہ اس کی جانب موڑ کر بولے۔

"اچھا اچھا۔۔۔ یعنی تم نے لیڈیز ہزی سے رپورٹ لینے کے لیے ام کو رانگ نمبر ملایا۔"

"بس یہی تو خرابی ہے اس رانگ نمبر میں کہ کبھی بزی نہیں ہوتا۔ ہمیشہ مل جاتا ہے۔" لیڈی کانسٹیبل نے مفت کی رائے دی۔

"او ہم نے ایف آئی آر لکھوانی تھی جناب عالی۔۔۔"

جناب عالیہ کہتے کہتے ابا نے جو حوالدار صاحب کے چہرے پر ابھرتے غصیلے تاثرات دیکھے تو فوراً" وہیں چپ کر گئے اور اس فوری چپ کرنے میں خود ان کی حالت وہی تھی جو پانچویں گیئر میں چلتی گاڑی کی ایک دم بریک لگنے پر ہوتی ہے۔

"اچھا تو تم ام کو جاہل مطلق مانتا اے؟ قانون کو ان پڑھ سمجھتا اے؟ ام خود ایف آئی آر نئیں لکھ سکتی اے جو تم ام کو لکھوائے گی؟" ابا نے مدد طلب نظروں سے پہلے لیڈی کانسٹیبل اور پھر چندا کو دیکھا کہ کسی طور پر قانون کی یہ غلط فہمی دور کروا کر اسے انصاف کی طرح خاموش کروایا جائے۔

"سر، دراصل ہمارے گھر میں ہوگئی ہے چوری۔" چندا کی آواز نے ایک بار پھر ان کا مزاج معتدل کیا۔

"چوری؟ امارے علاقے میں؟ اور وہ بھی ام کو بتائے بغیر؟" حوالدار صاحب کی پریشانی کا یہ عالم تھا کہ لگتا چور ان کی ٹوپی اور بیلٹ چرا کر بھاگ گیا ہو۔ اور ان کے علاقے میں انہیں بتائے بغیر چوری کرنا بھی انہیں اپنی غیرت پر حملہ محسوس ہو رہا تھا۔

"جی سر۔ اور یہی تو ہم آپ کو چاہتے تھے بتانا۔"

"پر اب بتانے کا فائدہ؟ یہ تو تم کو چوری سے پہلے بتانا چاہیے تھا۔" حوالدار صاحب کے ذہن میں ایک ایک کرکے ان سب ممکنہ چوروں کی شکلیں سیکنڈ کی سوئی بنے گھوم رہی تھیں جو بغیر بتائے ہی قانون کے ساتھ چھیڑ خانی کرنے کی اہلیت، صلاحیت اور قابلیت رکھتے ہوئے قانون کو چیلنج کرسکتے ہوں۔

"او حوالدار! اے چوری تو پیلاں (چوری سے پہلے) کی بتاتے؟"

"تم ام کو بتاتے کہ خوچہ امارے گھر چوری ہونے والا اے۔" حوالدار صاحب نے قانونی مشورہ سبزی کے ساتھ دھنیے کی طرح دیا... بالکل مفت!

"لیکن اگر ہم بتا دیتے تو کیا کرلیتے آپ؟"

"ام چوروں کو میڈیا پر آکے بتاتی کہ تماری خفیہ نگرانی ہو رہی اے، تاکہ وہ چوری نہ کرتے۔"

"پھر کیا کریں گے اب؟" چندا پریشان تھی اور اس کی پریشانی حوالدار صاحب کو اپنی پریشانی لگ رہی تھی۔ اس لیے انگشت شہادت ناک پر رکھ کر کچھ سوچنے کی کوشش کرنے لگے۔

"چلو تم فکر نہ کرو، ام کچھ کرتی اے۔ کتنے کا مال تا؟"

"مال کا تو اندازہ نہیں، دراصل چوری ہوئی ہے ہماری چیک بک۔" چندا نے تصحیح کی۔

"ارے تو پھر بھلا فکر کیسی، آپ لوگوں کی ہے تا تو خالی ہی ہوگی۔" لیڈی کانسٹیبل نے خدشہ ظاہر کیا تمام موجودہ حالات و واقعات کے تناظر میں اسے ابا کی جیب کی حالت پتلی ہی محسوس ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے پر میرا کونٹ (اکاؤنٹ) تے خالی نئیں ہے نا۔"

"خوچہ اچا ام کو بتاؤ کہ کون سے بینک کا چیک بک تا، پر ام ان کو پون (فون) کرکے بتائے گی کہ۔"

"او جی ایہو تے مسئلہ ہے کہ مجھے بنک کا نام بل گیا ہے۔" حوالدار صاحب نے ابا کو ایسے دیکھا گویا انہیں بنک کا نہیں اپنے والد کا نام بھول گیا ہو اور ابا بھی کیا کرتے اس وقت انہیں حوالدار صاحب کی ضرورت تھی اس لیے ان کا بات کرنے کا انداز سو فیصد وہی تھا جو عام طور پر بیویوں کا اپنی فرمائش پوری کروانے سے پہلے ہوتا ہے۔

"نئیں نئیں فکر نئیں کرنی، میرے بینک والوں کے ساتھ بڑے جھوز تلقات (جائز تعلقات) ہیں۔ وہ بالکل برا موس نئیں کریں گے۔"

حوالدار صاحب نے گہری سانس لے کر کچھ سوچتے ہوئے بڑے دل سے خواہش کی تھی کہ کاش وہ پولیس اسٹیشن میں بار بار ہوتی ٹیلیفون کی بیل پر یوں دوڑے دوڑے "تکرار ہاؤس" کا رخ نہ کرتے تو آج انہیں ابا جیسے انسان سے نہ ملنا پڑتا۔

"سر آپ کریں نا کچھ ہمارے لیے۔" چندا تو ان کے لیے ویسے بھی سپریم کورٹ کا درجہ رکھتی تھی کہ اس کا ہر حکم ان کے سر آنکھوں پر تھا گو کہ حوالدار صاحب کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا تھا کہ جن کی شخصیت دیکھ کر زیادہ سے زیادہ ان سے ہمدردی ہی کی جاسکتی تھی اور چندا کی تو ہر بات وہ کانوں سے نہیں آنکھوں سے سنتے تھے اور ابا سامنے نہ ہوتے تو یقیناً بولتے بھی آنکھوں سے ہی اور انہیں یقین تھا کہ چندا ان کی باتوں کو مکمل دھیان سے سنتی۔ کیوں کہ دنیا میں سب سے زیادہ بے دلی، کم توجہ اور بے دھیانی میں ڈانٹ ڈپٹ والی گفتگو اور سب سے زیادہ دل لگا کر مکمل توجہ کے ساتھ رومانٹک اور پیار محبت والی باتیں ہی سنی جاتی ہیں، وصیت کا نمبر دوسرا ہے۔

"سر پلیز!"

"اچھا ام کو بتاؤ کیا کروں؟ پوری ایک کلو سی این جی لاؤں۔"

"نہیں نہیں' آپ صرف لادیں ہماری چیک بک۔"

"مدی موقعے سے فیدہ نہ اٹھائیں۔" ابا کو چندا کا یوں منع کرنا بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

"بھلا اک کلو سی این جی منگوالیتیں' بندہ گیس کے غبارے والوں کو دیچ (بیچ) دیتا ہے۔"

"نری چول بنے گی وڈی ہو کے۔"

"یہ چول کسے کہہ رہے ہیں جناب اور اس کا مطلب کیا ہے؟" لیڈی کانسٹیبل نے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے ابا سے سوال کیا مگر جواب سن کر چپ ہی کر گئی۔

"چول پنجابی کا ایک ایسا لفظ ہے جو سمجھایا نہیں صرف دکھایا جاسکتا ہے۔ تے ہر خاندان میں اک چول ہوتا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کیدو کے ساتھ اس کی لاٹھی۔ خاندان کی کوئی تقریب ہو یا کش ہو' سب مل کے اس "چول" کی باتیں ضرور کرتے ہیں۔"

"سر پلیز آپ قانون کے مطابق۔" حوالدار صاحب نے چندا کی بات کاٹ دی بیا دوہ بھی ہرا ایرے غیرے کی طرح قانون کی انگلی پکڑے پشتیں نہ نکل بیٹھے۔

"یہ جو تم قانون کی بات کرتی اے۔ پورے ملوک کے واسطے برابر اے سمجھا؟" چندا نے دائیں بائیں موجود ابا اور لیڈی کانسٹیبل کو دیکھ کر یوں نفی میں سر ہلایا جیسے سلام پھیر رہی ہو۔

"حوالدار صاحب کا مطلب ہے کہ قانون پورے ملک کے لیے برابر ہے' اور جب ہمارے وزیروں' مشیروں کے کیس رجسٹریشن نہیں ہوتے' ایف آئی آر نہیں کٹتی تو تمہاری ایک دم کیسے کٹ لیں۔" لیڈی کانسٹیبل یقینی طور پر حوالدار صاحب کے ساتھ وہی مقام رکھتی جو طلباء کے لیے مشکل مضامین کی حل شدہ گائیڈز کا ہوتا ہے۔

"دیکھو جی' آپ میری چیک بک لیا دو تے میری طرف سے ساری حیاتی دعا ملے گی۔"

"صرپ دعا؟" حوالدار صاحب نے دعا کا مطلب اور اثر دغا دینے کے برابر لیا تھا۔

"اچھا جی' چیک بک تے ملنے دو۔ فیر جو کہو گے ملے گا؟" ابا نے اپنی آفر میں ذرا رد و بدل کیا تو حوالدار صاحب اور لیڈی کانسٹیبل نے ایک دوسرے کو مشورہ کرنے کے انداز سے دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں او کے بھی کر دیا۔

چوڑو چوڑو' ام تو بیٹا ای عوام کی خدمت کے لیے اے' اور عوام کی خوشی کے لیے تو پہ بھی لینا پڑتا ہے۔" دونوں اب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

حوالدار صاحب نے ناراض بیوی کی طرح ساتھ چھوڑنے سے پہلے ہی پینٹ کو اوپر کی طرف کھینچا تو ایسا کہ لمحہ بھر کے لیے خود بھی ٹخنوں کے ٹِل ہوگئے۔

"لیکن آپ اٹھ رہے ہیں کیوں؟"

"امارا ڈوٹی (ڈیوٹی) کی شپ ختم ہو گیا ہے ناں خو جی۔" حوالدار صاحب نے آنکھوں کا استعمال زبان سے زیادہ کیا تھا اور چندا کی ناسمجھی پر اپنا سا منہ لے کر شرمندگی سے مسکرانے لگے۔ "اور اوور ٹائم کرنا امارے محکمے کے خلاپ ہے۔" حوالدار صاحب نے رسٹ واچ کی طرف اشارہ کیا۔

"ام کل پر آئے گی خو جی۔" حوالدار صاحب کے لہجے میں چندا کو ایک ماں کی ممتا محسوس ہوئی۔ "کل جب ام آئے گی تو ایپ آئی آر بھی کاٹے گی اور کیس بھی بنائے گی۔"

"چنگا خیر رب رکھا۔" ابا نے الوداعی مصافحے کے طور پر ایسے ہاتھ بڑھایا جیسے چوٹی پکڑ رہے ہوں۔ اور عین اسی وقت جب بات کرنے کے ساتھ ساتھ حوالدار صاحب وغیرہ نیچے اتر رہے تھے اسی وقت ضمیر بھائی بھی اپنے لاؤنج میں سے گزر رہے تھے اور آخری بات سن کر جو بوکھلاہٹ ان پر سوار تھی لگتا تقریب ولیمہ میں کھانا شروع کرنے کا اعلان عین اس وقت ہوا ہو جب وہ قطار میں سب سے پیچھے تھے۔

☆ ☆ ☆

اور بھی چیزیں بہت سی سٹ چکی ہیں دل کے ساتھ یہ بتایا دوستوں نے عشق فرمانے کے بعد اس لیے کمرے کی اک اک چیز چیک کرتا ہوں میں اک تیرے آنے سے پہلے اک تیرے جانے کے بعد

حوالدار صاحب کے جاتے ہی ابا نے صوفوں پر رکھے کشن بھی ایک ایک کرکے ہلا جلا کر واقعی وہیں موجود ہونے کی یقین دہانی کروائی تھی۔ جانے کیوں انہیں لگتا تھا کہ چیک بک کے ساتھ ہی نجانے ان کا اور بھی کیا کچھ چوری ہوگیا ہو۔ اور پھر بدقسمتی سے محکمہ پولیس کی شہرت کچھ ایسی ہے کہ ابا کو تو ان دونوں پر بھی بلاوجہ کا شک ہو رہا تھا جیسے بے چینی اور بدحواسی تھی۔ اور یہ عالم صرف اوپر والے پورشن میں ہی برپا نہیں تھا بلکہ ان کی بات چیت کا آخری حصہ سن کر ضمیر انتہائی بوکھلاہٹ میں باقی ماندہ لوگوں کے پاس پہنچے تو وہ سب بھی پریشان ہوگئے۔

"کیا ہوا ضمیر بھائی۔۔۔ کوئی مریض پیچھے لگ گیا ہے کیا؟" علی نے دیکھا ناک پر پھسلتی عینک کو سنبھالتے انتہائی گھبراہٹ میں وہ ایسے لگ رہے تھے جیسے ان جیسے لوگ گھبراتے ہوئے لگتے ہیں۔

"مریض تو اب ہم سب بنیں گے۔ بس ذرا سا انتظار۔" ایک تو بوکھلاہٹ اوپر سے علی کا طرز خطابت ضمیر بھائی کا دل چاہا تھا کہ حوالدار صاحب کے سامنے علی کو ہدیہ کی رقم کے طور پر پیش کر آئیں۔

"نفسیاتی مریض تو ہم بن ہی چکے اب کیا جذباتی مریض بنیں گے؟"

"جو کچھ میں سن کر آرہا ہوں نا علی، تم لوگوں میں سے کوئی بھی سنتا تو بے ہوش ہو جاتا۔"

"ظاہر ہے ضمیر۔ اب ہر بندے کو تو گالیاں سننے کی عادت نہیں ہوتی نا۔" چینا نے بینگن کے قتلے کو روٹی میں لپیٹتے ہوئے منہ بنایا تو ضمیر بھائی کا بھی منہ بن گیا۔

"چینا۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔"

"او اچھا ہوا یاد دلا دیا۔ یہ ذرا سالن گرم کرلاتا۔" چینا نے اپنی پلیٹ ان کی طرف بڑھائی تو وہ مزید غصہ کھا گئے۔

"میرا دماغ گرم ہو رہا ہے اور تمہیں کھانے کی پڑی ہے۔" ان کی بات پر یقیناً خالہ کو ترس آیا تھا اسی لیے وہ فوراً" اٹھیں اور ضمیر بھائی کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی ساتھ والی کرسی پر بیٹھا دیا۔

"ادھر آؤ۔۔۔ تم میرے ساتھ بیٹھو میاں۔" تب ضمیر بھائی کو خالہ پر بے حد پیار آیا تھا کہ بیوی نہ سہی ماں سی ماسی یعنی خالہ تو ہیں جو ان کا اتنا خیال رکھتی ہیں۔

"دیکھا چینا، خون کا رشتہ آخر خون کا ہی ہوتا ہے۔" فخر کے مارے وہ خمیر زدہ آٹے کی طرح پھول گئے تھے۔

"ارے چھوڑو بھی رشتوں شتے کو۔ یہ پلیٹ ذرا پکڑ کر رکھنا گرم ہو جائے۔" خالہ نے اپنی سالن کی پلیٹ گرم کرنے کی غرض سے ان کے سر پر رکھی تو چینا اور علی حیرت سے جبکہ ضمیر بھائی شدید ترین صدمے سے انہیں دیکھنے لگے۔

"خالہ۔ یہ۔۔۔" ضمیر بھائی نے بڑے دکھ سے انہیں دیکھا ان کا بس چلتا تو خالہ کو اسی وقت اس کرسی سے اتار دیتے جس پر وہ بڑے آرام سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی تھیں لیکن ایسا ہرگز ممکن نہ تھا کیونکہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو بھی کرسی سے اتارنا دور وہ تو خود ان کی موجودگی میں صرف جوتیں جرابیں ہی اتار سکتے تھے ان کے نہیں اپنے!

دوسرا آپشن وہ تھا جو عام طور پر ہمارے معاشرے کے مرد حضرات اپنی مردانگی دکھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن ضمیر بھائی کے لیے مردانگی دکھانے کے لیے غصے میں گالی دینا ضروری نہیں تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ گالی دینے والے مرد اور دگالی کرنے والے جانور میں سے اگر چار ٹانگوں کے فرق کو نکال دیا جائے تو دونوں کو باآسانی ایک ہی صف میں کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے بس دکھ سے دیکھتے رہے۔

"مجھے پتا تھا ضمیر، تمہارے انتظار میں بیٹھے بیٹھے جو کھانا ٹھنڈا ہوا اسے چینا تو گرم کرنے کے لیے اٹھے گی

نہیں‘ سوچا تمہارا دماغ گرم ہے‘ اس پر ہی کرنوں۔“
ضمیر بھائی نے روہانسے انداز میں پلیٹ میز پر پٹخی تو عینک پھر کھسک کر نیچے آگئی۔ جسے انہوں نے کنڈی لگانے کے انداز میں اوپر کیا۔

”دھیان سے ضمیر بھائی‘ پلیٹ ٹوٹ گئی تو چینا آپی پورا سیٹ خریدنے نکل پڑیں گی۔“

”علی تم چینا اور ضمیر کی باتوں میں چپ رہو۔“

”ہاں کوئی چمچہ تھوڑی ٹوٹے گا‘ جو تمہیں اپنی برادری کی فکر ہو رہی ہو۔“ خالہ نے سامنے سے وار کیا مگر ضمیر بھائی کے بولنے سے علی کو خاموش رہنا پڑا کہ ضمیر بھائی کی حالت زیادہ سیریز معلوم ہوئی تھی۔

”واہ چینا‘ تمہیں پلیٹوں چمچوں کی تو پروا ہے‘ مگر میری نہیں ہے۔“

”اس لیے نا ضمیر کہ پلیٹوں اور چمچوں کو تو چینا جب چاہے اٹھا کر پھینک سکتی ہے۔“ علی فوراً ہی چینا کی بات کا مفہوم سمجھ کر مسکرانے لگا تھا تب ضمیر بھائی نے اسے یوں دیکھا جیسے مچھلی پانی سے منہ نکال کر سانس لیتی ہے۔ اور سگریٹ مسلنے کے انداز میں پاؤں رگڑنے لگے۔

”ضمیر تمہیں کچھ برا تو نہیں لگا؟ یا چینا نے کچھ غلط کہہ دیا؟“ ضمیر بھائی کی خاموشی سے چینا کو احساس ہوا تھا کہ کچھ غلط کر بیٹھی ہے اور تب ضمیر بھائی نے جن نظروں سے چینا کو دیکھا وہ اسے دیکھتے ہوئے کم اور دکھتے ہوئے زیادہ محسوس ہوئے۔

”میں تو حوالدار صاحب کے بارے میں بتانے آیا تھا مگر۔“ ضمیر بھائی نے پاکستانی روپے کی طرح بار بار گرتی عینک اتار کر اب ہاتھ میں پکڑی اور ایک تعزیتی نظر ان تینوں پر ڈالنے کے بعد مڑ کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ ان کے قدموں کی تھکان بتاتی تھی کہ انہوں نے اپنی شادی شدہ زندگی سے یہ سبق سیکھا ہے کہ کبھی بھی بیویوں کو سبق سکھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

”علی۔ یہ ضمیر حوالدار صاحب کی کیا بات بتانے آیا تھا؟“ خالہ نے غصے میں سالن یوں ڈالا جیسے بیلچے میں سیمنٹ ڈال رہی ہوں۔ یہ ان کا ذاتی طریقہ تھا البتہ چینا ہمیشہ روٹی کا نوالہ توڑ کر اسے سموسے کی شکل میں دائیں بائیں اور آگے سے لپیٹ کر سالن سے متعارف کرواتی۔ جبکہ علی کا طریقہ واردات سب سے مختلف تھا وہ نوالے سے سالن کو یوں ڈھانپ کر اٹھاتا جیسے پولیس ایک دم چوروں پر چادر ڈالتی ہے۔

”میں حوالدار ہوں؟“ علی نے خالہ کو نوالہ منہ میں ڈال کر بے یقینی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں‘ تم تو حوالدار نہیں ہو۔“

”میں ضمیر بھائی ہوں؟“

”بالکل بھی نہیں۔ تم تو علی ہو۔“

”تو پھر مجھے کیا پتا خالہ‘ ان سے جا کر پوچھو نا۔“ علی کی طرف سے بیزاریت کا بھرپور مظاہرہ دیکھنے کے بعد اب خالہ چینا کی طرف متوجہ ہوئیں جو ہتھیلی پر ایسے چہرہ لٹکاتے ہوئے تھیں کہ لگتا چہرہ جان بوجھ کر ہتھیلی پر رکھا نہیں گیا بلکہ مکمل اتار کر ہی رکھ دیا ہے‘ بے سدھ‘ بے جان۔

”چینا یہ ضمیر ہمیں حوالدار کی کیا بات بتانے آیا تھا؟“

”چینا کو کیا پتا خالہ‘ چینا کوئی نجومی ہے کیا؟“

”ویسے آپی‘ آج تو ضمیر بھائی آپ کے شوہر کم اور اتحادی زیادہ لگ رہے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ چینا کو مختلف ویب سائٹس کی ٹرمز اینڈ کنڈیشنز کی طرح اس کی بات بالکل بھی پلے نہیں پڑی تھی اسی لیے نا سمجھی سے دیکھا۔

”مطلب یہ پیاری آپی کہ شوہروں کی کیا اوقات‘ اس طرح تو حکومت اپنے اتحادیوں کے ناراض ہو جانے سے اپ سیٹ ہو جاتی ہے؟“

”چینا نے ضمیر کی بات نہیں سنی۔“ چینا کے لفظوں سے افسوس پان فروش کے منہ کی پھوار کی طرح برس رہا تھا۔

”خیر ہے چینا‘ آج کل تو ویسے بھی کوئی ضمیر کی نہیں سنتا۔“

”نہیں خالہ‘ چینا کو بہت دکھ ہو رہا ہے۔“

"ارے اتنا ہی دکھ ہو رہا ہے تو جاؤ جا کر منالو۔" خالہ نے پکوڑوں کے ساتھ چٹنی کی طرح مفت مشورہ دیا۔ تو چینا چونکی کہ خود اس کو یہ خیال پہلے کیوں نہ آیا اور یہ بات تو وہ مانتی تھی کہ ضمیر ایک اچھا شوہر ہے اور ہر آدمی اتنا برا بھی نہیں ہوتا جتنا اس کی بیوی اسے سمجھتی ہے اور اچھا بھی نہیں ہوتا جتنا اس کی ماں اسے سمجھتی ہے۔ اسی لیے اسے ماں اور بیوی کی درمیانی نظروں سے دیکھتے ہوئے منانے کے طریقوں پر غور کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

ابا اپنے بیڈ پر چپ چاپ گم سم ٹیلیفون پر ہونے والی مدھر بات چیت یاد کر رہے تھے کہ چندا ان کے کمرے میں آئی اور انہیں یوں خاموش دیکھ کر گھبرا گئی۔

"ابا کیا بات ہے' کیا ہو رہا ہے آپ کے دانت میں درد؟"

"درد؟" وہ چونکے۔

"کیوں پتری' میں نے کوئی دوائی شوائی تے نئیں مانگی۔"

"نہیں وہ دراصل آپ بیٹھے ہیں نا اتنے چپ چاپ۔ اس لیے پوچھا۔" ابا کی سوچ جتنے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ ان کے بیڈ پر ہی ایک کونے میں یوں بیٹھی کہ اگر بیڈ کو پاکستان کا نقشہ تصور کیا جاتا تو وہ کشمیر قرار پاتی۔

"نہیں۔ چپ تے نئیں تھا' بس ایویں ای اسے یاد کر رہا تھا۔" ابا کے ٹھنڈی آہ بھرنے پر وہ بے ساختہ ناک پر ہاتھ رکھنے پر مجبور ہوئی۔ اور پھر خود بھی اداس ہو گئی۔

"ہاں ابا۔ میں بھی اماں کو کرتی ہوں بہت یاد۔"

"او ہو پر میں تے تیری ماں کو بالکل یاد نئیں کر رہا تھا۔" وہ بدمزا ہوئے۔

"تو پھر کر رہے ہیں کس کی ماں کو یاد؟" اس کی یہ بے تکلفی کو ابا کو بالکل نہیں بھائی تھی جب ہی چہرے پر ٹریفک کی وہ بتی نظر آنے لگی جو ہر گاڑی کو وہیں رک جانے کا اشارہ دیتی ہے۔

"وہ ابا میرا مطلب تھا کہ آپ کر رہے ہیں اپنی اماں کو یاد؟"

"نئیں نئیں چپ کر' مجھے ایویں ای جذباتی کرنے کی کوششاں نہ کر۔" انہوں نے بیٹھے بٹھائے یوں پہلو بدلا جیسے توے پر روٹی کی سائیڈ بدلی گئی ہو۔ مکمل!

"او ہو تو پھر کیوں ہیں اتنے چپ؟"

"او پتری میں تے اپنی چیک بک کو یاد کر رہا تھا۔"

اصل بات کو ٹیکس کی طرح چھپا کر انہوں نے جواب دیا تو چندا کو کچھ سکون ملا۔

"فکر نہ کریں ابا۔ مل جائے گی ضرور ایک دن۔"

"اتنا یقین؟ کیوں تیرے نال اس کا سٹہ لگا ہوا ہے؟" ابا کو حیرت ہوئی تھی۔

"دراصل کیس چلا گیا ہے نا پولیس کے پاس اس لیے۔" لاپروائی سے کہتے ہوئے وہ اٹھی اور سامنے رکھے ڈریسنگ ٹیبل کی سامنے جا کھڑی ہوئی جہاں آئینے پر ابا نے کپڑا ڈالا ہوا تھا۔ اس نے کپڑا ایک طرف اٹھایا اور ہیئر برش پکڑا ہی تھا کہ ابا دوڑتے ہوئے آئے۔

"او پتری' اے کی کرنے لگی ہیں؟"

"بس ذرا میک کر رہی تھی بال۔"

"کیوں' ابھی کمرے میں ہنھوری آئی تھی؟" ابا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسی ہمکنہ اور ممکنہ ہنھوری (آندھی) میں چندا کو بھی اڑا دیں جس نے شیشے کو بے لباس کر دیا تھا۔

"ویسے ہی ابا یہاں کھڑی تھی سوچا کر لوں اپنے بال ٹھیک۔" چندا نے منہ بسورا تو ابا کا بھی چہرے کے زاویے بگڑے اور تاثرات سے ایسا لگا جیسے کوئی سخت جان ڈبا کھول رہے ہوں' گردن کو جھٹکا دے کر انہوں نے دراز کھولا اور اس میں سے چند مرر نکال کر چندا کے سامنے رکھتے ہوئے بڑے آئینے کو ایک بار پھر پرانی دلہنوں کے چہرے کی طرح ڈھک دیا۔

"یہ پکڑ... تے اب اس فضول خرچی کی عادت کو

چھوڑو سے۔ ابا تیرا اب تک چیزیں سنبھالے۔"

"لیکن۔۔۔ میں نے کی ہے کون سی فضول خرچی؟"

"شاوا شے چڑی۔۔۔ اور تیرا چار انچ کا منہ تے اس شیشے میں وی نظر آجاتا ہے۔ فیر اپنا وڈا ایسٹروڈیڈ کا شیشہ استعمال کرنا فضول خرچی نئیں؟"

اور تب چندا کو اپنے ابا کی ذہنیت پر ایک بار پھر ترس سا آنے لگا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ ابا کی اسی عادت نے انہیں انسان سے فرشتہ بننے سے بال بال بچایا ہوا ہے۔ اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے ابا نے بات کا موضوع بدلا۔

"اچھا چل چھوڑ ان باتوں کو۔۔۔ صبح اس حوالدار نے آنا ہے خاص خاص چیزیں چھپادیں۔" چندا ایک تو پہلے ہی ان کی باتوں سے عاجز تھی یہ نیا حکم سنتے ہی جل ہی تو گئی۔

"اباوہ آرہے ہیں ہماری مدد کرنے اور آپ کررہے ہیں ان پر شک۔"

"بس ٹھیک ہے نہ کریں' خوش۔" ابا نے بادل ناخواستہ کہا تو چندا کمرے کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"میں آپ ہی کردوں گا سب کش۔" آہستگی سے کہہ کر انہوں نے ایک بار پھر پہلے اطمینان بخش نظروں سے برقعہ پوش آئینے کی طرف دیکھا اور پھر چھوٹے آئینے کو اخبار میں پیسٹ کر دراز میں رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

وہ بھی دن تھے دل کہتا تھا یوں آر اونلی مائن
سارا سارا دن کرتے تھے اک دوجے کو جوائن
ہوئے نکاح نامے پر جھٹ پٹ پھر دونوں کے سائن
کچھ عرصہ تو گزرا کہتے ایوری تھنگ از فائن
پھر آئی اس پریم کہانی پر تیا ڈیڈ لائن
اب وہ مجھ کو جن کہتی ہے اور میں اس کو ڈائن

چینا اپنے کمرے میں آئی تو ضمیر بھائی منہ لٹکائے بیٹھے تھے' ناراضی کا عالم یہ تھا کہ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کے باوجود آواز پر سر تک اٹھانا گوارا کیا اور نہ ہی تنہائی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چینا کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے رومانٹک ہونے کی کوشش کی' ورنہ تو بے چارے موقعے کی تلاش میں ہی رہتے' مگر جب تک علی اور خصوصاً" خالہ سو نہ جاتیں' وہ چینا کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی خود کو ایک ٹانگ پر کھڑا ہی محسوس کرتے اور مکمل اطمینان بھری مسکراہٹ اور شوخیاں خالہ کے دریائے ٹیمز کو مات دیتے خراٹوں کی آواز کے ساتھ ہی ابھرتیں۔ سیدھے سادھے ضمیر بھائی جب اپنی عینک اتار کر چینا سے آنکھیں چار کرتے ہوئے اظہار محبت کرتے تو چینا کو لگتا یہ منت آمیز لہجے میں وہ اس سے جواباً" محبت نہیں بلکہ فانٹا کی ٹافیاں مانگ رہے ہیں۔ اسے لگتا ضمیر بھائی نے پانچ سال کو ایجوکیشن میں رہ کر ڈاکٹری نہیں پڑھی بلکہ چائے پینے کے بہانے کینٹین میں ٹیبل پر رکھی کسی کی ڈگری اٹھا لائے ہیں۔ کیوں نہ یہ تو چینا کو پتا تھا کہ آج کل کی نسل یونیورسٹی سے اور کچھ حاصل کرے نہ کرے اظہار محبت کے ایک سو ایک طریقے ضرور سیکھ کر نکلتی ہے۔ اسی لیے تو ہر ایک سے ہر دو دن بعد سچا پیار ہوجانے کی صورت میں محبت کا اظہار ایسے کرتے ہیں جیسے لڑکیاں گھر کے کام کاج کرتی ہیں۔۔۔ روانی سے اپنی عادت سمجھ کر!

چینا نے انہیں یوں ابھی تک سر جھکائے دیکھا تو مخاطب کرنے کے بجائے سب سے پہلے اپنے موبائل پر ہی ایک خوب صورت اور محبت بھرا کلاسیک نغمہ لگایا جس کے نتیجے میں اسے یقین تھا کہ ضمیر بھائی ضرور اس کی طرف متوجہ ہوں گے مگر پورا ایک بول سننے کے بعد بھی جب چینا نے ان کی آنکھوں میں پیار کو سیلابی پانی میں گاڑیوں کی طرح ہچکولے لیتا نہ دیکھا تو ہلکی ہلکی آواز میں خود بھی گنگنانے کے ساتھ ساتھ بال کھول کر ہلکا ہلکا سا میک اپ کرنے لگی' چیزوں کو رکھنے اور اٹھانے کی آوازیں وہ جان بوجھ کر انہیں متوجہ کرنے کے لیے پیدا کررہی تھی' تاکہ کسی طریقے اسے سوری نہ کہنا پڑے اور وہ خود ہی دل اور جذبات کے ہاتھوں

اس کی طرف کھنچے چلے آئیں، لیکن جب گانے کے آخری بول کے شروع ہونے تک بھی وہ اسی طرح بیٹھے رہے تو چینا کو احساس ہوا کہ اس دفعہ ناراضی کچھ زیادہ ہی سخت قسم کی ہے ورنہ تو ضمیر بھائی ناراض ہوتے تو تھے مگر ناراض رہتے نہیں تھے کیوں کہ ان کا شمار دنیا کے عقل مند مردوں میں ہوتا تھا جو اپنی ساری کمائی بیوی کی ہتھیلی پر لا کر رکھتے اور پھر بیوی سے اپنا جیب خرچ طلب کیا کرتے اور اس کے دیے ہوئے جیب خرچ میں ہی گزارا کرتے۔ ایسی صورت حال میں بھلا ناراضی کا سوال کیسے پیدا ہوتا یہ الگ بات ہے کہ کچھ "پوشیدہ" زن مرید حضرات ایسے عقل مند شوہروں کو عقل بند کہہ کر اپنا غم غلط کیا کرتے۔

اور بالآخر چینا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، ہلکے ہلکے میک اپ، بالوں کو خوب صورت و دلکش انداز میں کھولنے، مسحور کن میوزک کے بعد آخری کوشش کے طور پر اس نے ضمیر کے پسندیدہ پرفیوم کا اسپرے اس شدت سے کیا جیسے محکمہ زراعت کے اہلکار سنڈی مار اسپرے کرتے ہیں مگر اس کے باوجود ضمیر بھائی جس طرح پہلے اس کی مخالف سمت میں سر جھکا کر بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے تو زندگی میں پہلی مرتبہ چینا نے سوچا کہ آخر غلطی چونکہ اس کی تھی اس لیے اسے ہی بات چیت میں پہل کرنی چاہیے اور یا تو وہ پہلے ضمیر سے بحث کرے کہ غلطی تو اس کی نہیں تھی مگر پھر بھی وہ سوری کر رہی ہے اور یا پھر وہ سارا ملبہ ضمیر پر ڈال کر اسے ناراض کرے اور تازہ تازہ سوری کرے کہ اتنی دیر سے سر جھکا کر بیٹھا ناراض ناراض سا ضمیر کو دیکھ چینا کو کچھ اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا جب ہی بڑی ادائے دلبرانہ کے ساتھ خود کو نازک اندام حسینہ خیال کرتے ہوئے بڑی ہی محبت سے آنکھوں کو خمار آلود بنا کر ہونٹوں کو دو سالہ بچی کی "پونی" کی شکل دینے کے بعد انگلیوں میں پیار کی بجلی بھری اور ضمیر کے بالوں میں پھیرنے لگی اس وقت وہ صوفے پر بیٹھے ضمیر کے اس قدر قریب کھڑی تھی کہ لگتا وہ کوئی سرکاری عمارت اور ضمیر دھرنا دیے بیٹھے مظاہرین میں سے ایک ہیں۔

اور اس وقت چینا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ضمیر بھائی کا سر ایک جھٹکے سے نیچے گرا اور پھر وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے اپنے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پائے گئے۔

"ضمیر... تم سو رہے تھے؟" چینا جو اتنی دیر سے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے حربے آزما رہی تھی۔ اس کی سابقہ خوابیدہ حالت کا پتا چلنے پر سخت غصے میں تھی جبکہ ضمیر بھائی کمرے میں پھیلی مسحور کن خوشبو، میک اپ سے کھلے چہرے اور بریک ٹائم میں بکھرے اسکول کے بچوں کی طرح کے بالوں کو دیکھتے ہوئے اس سے پہلے کہ بے وقت رومانٹک ہونے کی کوشش کرتے، چینا نے پھر تصدیق چاہی۔

"ضمیر... اس سے پہلے کہ چینا کے دل کا دماغ خراب ہو جائے فوراً بتاؤ کہ تم سو رہے تھے نا؟"

"ہاں... وہ... دراصل آنکھ لگ گئی... تھی میری۔" انہوں نے بمشکل خود کو رومانٹک ہونے سے روکتے ہوئے چینا کے مزاج کے مطابق جواب دیا۔

ویسے بھی کامیاب ازدواجی زندگی کا بہترین اصول چینا کی نظر میں یہ تھا کہ بیوی کے موڈ کو دیکھ کر بات کی جائے اور ان تمام باتوں سے پرہیز برتا جائے جن سے گھر کی رونق مدہم ہونے یعنی بیگم کے موڈ خراب ہونے کا خدشہ ہو۔

"یعنی تم واقعی..." چینا کو اتنی دیر کی جانے والی جدوجہد کے ضائع ہونے کا دکھ تھا۔

"ہاں... میں ذرا..."

"چپ ہو جاؤ ضمیر... چپ ہو جاؤ" کاش چینا تمہیں سویا ہوا نصیب کہہ سکتی۔" وہ واپس جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ ضمیر بھائی جھٹکے سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

"آج کے بعد کبھی تمہیں بغیر بتائے یوں لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں سوؤں گا۔"

"خود سوچو... اگر چینا اس طرح اتنی دیر خاموش، سر جھکا کر بیٹھتی تو تم کیا کرتے؟"

چاہیے۔"

جبکہ دوسری طرف ابا سمجھ چکے تھے کہ اگر اب بھی پیسے ارسال نہ کیے گئے تو معاملہ بگڑ سکتا ہے جب ہی پرسوچ انداز میں یہاں وہاں ٹہلنے لگے۔

☼ ☼ ☼

غیبت اور مونگ پھلی دو ایسی چیزیں ہیں جنہیں شروع کر دو تو سمجھ ہی نہیں آتا کہ ختم کہاں پر کب اور کیسے کریں اور خصوصاً" غیبت میں تو (اللہ معاف کرے) وہ خوشی محسوس ہوتی ہے جو پرانے کپڑوں کی جیب سے اچانک ہزار کا نوٹ ملنے پر بھی نہیں ہوتی ہوگی ایسا ہلکا پھلکا پن لگنے لگتا ہے کہ کیا مثال اور جس بندے کو شریک غیبت کیا گیا ہو وہی اس وقت سب سے قریبی اور مخلص رشتے دار لگنے لگتا ہے۔ وہ بھی اس دور میں جب لوگ معمولی بات پر صدیوں پرانا رشتہ توڑ دیتے ہیں اور گلی محلے میں بچے تک تالیاں بجا کر اعلان کرتے نظر آتے ہیں کہ "مونگ پھلی میں دانہ نہیں ہم تمہارے نانا نہیں" اب کوئی پوچھے کہ بھلا نانا نے بچوں کو وزیر اطلاعات کیوں رکھا خود ہی بتا دیتے" لیکن اس طرح جو بات کئی اشخاص کے منہ اور کانوں سے ہوتی ہوئی پہنچے وہ زیادہ طویل' دلچسپ اور چٹخارے دار ہوتی ہے اور اس وقت چینا اور خالہ بھی کچن میں کھڑی جب اسی طرح کے چٹخارے لیتی کچھ تھک سی گئیں تو اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھنے لگیں' لیکن ایک دم سے ہی خالہ کو جو اپنے پاؤں کے ساتھ کاکروچ نظر آیا تو چیخنے کے ساتھ یوں اچھلنے لگیں جیسے ٹی ٹوئنٹی میں چھکا لگا ہو۔ ان کے چیخنے کی آواز کانوں میں پڑی ہی چینا بھی وہیں پاؤں جما کر آنکھیں بند کیے چیخنے لگی یہی نہیں بلکہ سیڑھیوں سے نیچے آتی چندا بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئی اظہار یکجہتی کی اس مثال نے علی اور ضمیر بھائی کو بھی کمروں سے نکال باہر کیا اور اب وہ حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے پریشانی سے پہلے ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے پھر علی چندا کو خلاف توقع وہاں دیکھ کر بولا۔

"تم یہاں ہمارے پورشن میں؟ اور اس وقت؟ چیخ کیوں رہی تھیں؟"

"پتا نہیں کیوں چیخ رہی تھی میں؟ شاید دیکھ کر ان دونوں کو۔" دونوں ہاتھ منہ سے ہٹا کر وہ بولی۔

"نہیں پتا؟ کیوں تم آٹومیٹک ہو جو خود ہی چیخنے لگیں؟"

"چینا تمہیں کیا ہوا ہے؟" ضمیر بھائی نے آنکھوں میں سرمے کی طرح غصہ بھر کر پوچھا مگر چینا انہیں یقینی طور پر گھر داماد خیال کر چکی تھی اسی لیے اہمیت نہ دیتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔

"چینا کو تو کچھ نہیں ہوا چینا تو بس خالہ کو دیکھ کر اس لیے چیخی کہ وہ خود کو اکیلا نہ سمجھیں۔"

"اوہو تو خالہ بتا بھی دو آخر ہوا کیا تھا؟" ضمیر بھائی زچ ہوگئے تھے۔

"وہ... دراصل نا کچن میں کاکروچ تھا۔" خالہ نے لالٹین کی طرح منہ لٹکایا۔

"ویسے میں ڈرتی تو نہیں ہوں مگر پتا نہیں کیوں... چیخیں نہیں رکتیں۔"

"میرے ابا کہتے ہیں کہ کاکروچ ہوتے ہیں اپنے قوم کے سیاستدان۔" خالہ کے چپ ہونے پر چندا نے بات شروع کی تو سب کے چہرے حیرت سے سکڑ سے گئے۔

"ماننے والی بات ہے... سیاستدان ہی ہوں گے تب ہی تو رات کے اندھیرے میں نکلتے ہیں اور خون تو ان کا ہوتا ہی سفید ہے۔" علی نے فوراً" سے چندا کی بات پر تسلیم کی مہر لگائی تو چینا کو اس کا انداز کچھ اچھا نہ لگا۔ "یعنی تمہارے ابا بھی کبھی عید شب برات پر صحیح بات کر لیتے ہیں۔"

"ہی... اس کے ابا تو ہمیشہ صحیح بات ہی کرتے ہیں۔" علی نے چاہا کہ آج چینا خاموش رہے مگر اس کا نام چینا تھا جو اس وقت علی کا جلیبی کی رال بنتا بالکل برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ چندا' کیا تمہارے ابا کو آج بھی چیزیں چوری ہونے کا دورہ پڑا ہے؟"

"میں تو فورا" سے پہلے تمہاری نبض چیک کرتا کہ چینا اور وہ بھی سر جھکائے اور پھر خاموش ہے۔!" ضمیر بھائی نے پیشہ ورانہ جواب دیا تو چینا ان کی ذہانت پر واری صدقے ہونے لگی۔

"کاش چینا تمہیں مائی جانو کہہ سکتی۔"

کہہ دو جو بھی من میں آئے

ایسا نہ ہو خامشی میں

سننے والا بھی کھو جائے۔" ضمیر بھائی کے گانے کا انداز ایسا تھا کہ چینا ان کے گانے سے زیادہ گا کر دکھانے پر زیادہ فدا ہو رہی تھی اور خود کو دنیا کی خوش نصیب بیوی تصور کر رہی تھی۔ ویسے بھی اگر میاں بیوی دونوں ہی عقل سے پیدل ہوں تو زندگی کی گاڑی بہت سکون سے منزل مقصود تک پہنچ جاتی ہے۔ مسئلہ کھڑا ہوتا ہے تب جب دونوں میں سے کسی ایک کی عقل ہوش میں آنے لگے۔

☼ ☼ ☼

کون کہتا ہے کہ خون صرف مچھر چوستے ہیں حالانکہ یہ خوبی تو منہگائی کے علاوہ کچھ رشتے داروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ رشتے داروں کی وہی نایاب قسم ہوتی ہے جو ہر اچھی بات میں سے بھی کوئی نہ کوئی منفی پہلو ڈھونڈ لینے کے ایسے ماہر ہوتے ہیں جیسے صاف چنے ہوئے چالوں میں سے کنکر نکال لانے والے کوئی ایسا شخص جو غلطی سے آپ کی تعریف ان کی موجودگی میں کردے تو وہاں یہ رشتے دار کے بجائے آپ کی خامیوں کے اشتہار کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ اس طریقے سے ظاہر ہوتے ہیں کہ بھول چوک سے تعریف کردینے والا بندہ اپنی ہی لفظوں کو اس نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے ولن ہیروئن کو دیکھتا ہے۔ سو علی نے بھی آج اپنے ان ہی رشتے داروں جو ساتھ والے کمرے میں ہونے کی وجہ سے اس کے قریبی رشتے داروں میں شامل تھے کی وجہ سے ابا سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی نسوانی آواز میں چیختی یہ خفگی فون کے اس پار اور اس کے کمرے کی چھت کو اپنا فرش بنائے ابا نے بھی محسوس کرلیا اور بولے۔

"سرکار اج تے کش نراض لگ رہے ہو۔ خیر تے ہے نا؟"

"خیر۔؟ آج تک فون میں ایک کارڈ تک تو ڈلوا کر نہیں دیا اور وعدہ کیا تھا مالی امداد کا' ہونہہ۔" علی کا خیال تھا (جو کہ خام خیالی تھا) کہ ابا اس کی باتوں میں آجائیں گے' مگر دوسری طرف بھی ابا تھے۔ بڑی معصومیت سے بولے۔

"فون وچ کارڈ وی ڈلتا ہے؟"

"نہیں پانی ڈلتا ہے۔" علی نے جل کر کہا۔

"او نہ جی میاق نہ کرو۔" ابا نے ہولناک سا قہقہہ لگا کر علی کے تاثرات دردناک کردیے۔

"مذاق تو آپ نے بنالیا ہے میرے بھائی کی زندگی

کا۔ "علی کے لہجے اور انداز میں "شوہرانہ ٹچ" نمایاں تھا۔

"لوگ ہاتھوں میں نوٹ لیے کھڑے ہیں' لیکن میں آپ کے انتظار میں ہوں۔" علی کی یہ بات سن کر ابا تھالی کے بینگن کی طرح یہاں وہاں لڑھکتے پائے گئے۔

"ہائے اوئے' کی کہہ دتا ای" ابا عمر کے جس دور سے گزر رہے تھے اس میں صنف مخالف کی طرف سے یوں توجہ ملنا ہی دل میں کھلبلی مچا دیتا ہے سو ابا کے دل میں ہوتی گدگدیاں بھی حقیقی ہی تھیں۔

"بس فیر میں آپ کو کش دن میں پیسے پہنچاتا ہوں.... یہ میں نے آپ کو زبان دتی۔"

"کیا یہ ایک مرد کی زبان ہے؟" علی نے آواز کو مزید لچکایا تو ابا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے سامنے اپنا آپ گروی رکھ آئیں۔

"مرد کی زبان؟" چند لمحے رک کر انہوں نے یقین دہانی کی پھر بولے۔

"آہو.... شک تے مجھے وی یہی ہے۔" "بس آخری چانس دیتے ہوئے علی نے فون کھٹاک سے بند کیا اور بالوں میں انگلیاں پھنسا کر خود کلام ہوا۔

"توبہ توبہ چلو ہمارا تو حق بنتا ہے کہ عمر ایسی ہے مگر کم از کم اس عمر میں بندے کو اتنا بھی ٹھرکی نہیں ہونا"

"وہ ابا ہیں میرے اور بڑے ہیں آپ سے۔" چندا کو برا لگا تھا۔

"ارے تو چینا نے کب کہا کہ وہ تمہاری اماں ہیں اور وہ بھی اس سے چھوٹی۔" خالہ بھی میدان میں اتریں۔

"ویسے تمہارے ابا کی عمر کیا ہے؟" چندا کو واپس جاتے دیکھ کر ضمیر بھائی نے سوال کیا۔

"وہی جو میری ہے۔"

"یعنی تم اور تمہارے ابا دونوں جڑواں ہو؟" ضمیر بھائی نے حیرت کے سمندر میں گرنے سے خود کو بمشکل روکا اسی دوران چندا نے بھی وضاحت کی۔

"دراصل جس دن میں ہوئی تھی پیدا' اسی دن تو وہ بنے تھے ابا۔" چندا کی بات کو علی مکمل طریقے سے سمجھ گیا تھا۔

"یعنی تمہارے دادا کے بیٹے' اماں کے شوہر اور ابا کی عمریں الگ الگ ہیں؟"

"علی....؟" چندا نے اسے سکتے کے سے انداز میں دیکھا اور پھر مسکرانے لگی۔

"ویسے لگتا نہیں ہے کہ تم اتنے ذہین ہو۔" علی کو لگا جیسے اس بات سے چندا کے ذہن میں تبدیلی آ نہیں رہی تھی بلکہ تبدیلی آ گئی تھی۔

"اچھا ویسے دادا کے بیٹے' اماں کے شوہر اور تمہارے ابا میں سے بڑا کون ہے؟" خالہ نے یہاں وہاں دیکھ کر تفتیشی انداز میں پوچھا تو اس کی جگہ چینا بول پڑی۔

"دادا کے بیٹے ہے نا۔"

"جی ہاں' کیوں کہ میری دادی کو نہیں پسند تھی کچی چیزیں' اس لیے بیٹے کی شادی بھی بڑی ہی پکی عمر میں کی۔"

"جن مردوں کی شادیاں اتنی پکی عمر میں ہوتی ہوں وہ بڑے بڑے اتنے پک چکے ہوتے ہیں کہ شادی کے بعد پڑے پڑے سڑنے لگتے ہیں۔" چینا نے بھڑاس نکالی تو خالہ کو زبردستی ہی شرم آ گئی۔

"بس اسی لیے تو میں بھی شادی نہیں کر رہی۔"

"ارے خالہ.... شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔" ضمیر بھائی نے دزدیدہ نظروں سے چینا کو دیکھا اور مخاطب خالہ کو کیا۔

"بچوں کا کھیل نہیں ہے اسی لیے تو شادی نہیں کر رہی بلکہ اپنے بڑے ہونے کا انتظار کر رہی ہوں۔" خالہ نے اب تک خود کو بچہ کہا اور سمجھا تو وہ سب رات کے اس پہر یہ صدمہ نہ جھیلتے ہوئے چپ سے ہو گئے اور اپنے اپنے کمروں میں جاتے ہوئے وہ چندا سے یہ تو پوچھنا بھول ہی گئے تھے کہ رات کے اس پہر وہ نیچے ان کے پورشن میں کیوں آئی تھی اور ان کے اپنے کمروں میں جانے کے بعد بھی وہیں کیوں کھڑی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)